انفاق فی سبیل اللہ

مولانا سیّد جلال الدین عمری

فہرستِ مضامین

☆☆☆

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حرفِ آغاز

اسلام میں نماز اور انفاق فی سبیل اللہ کی بنیادی اہمیت ہے۔ یہ دونوں اعمال شریعت اسلامی کی اساس ہیں۔ نماز کے ذریعے اللہ تعالیٰ سے تعلق پیدا ہوتا ہے اور اس کی پابندی سے یہ تعلق استوار ہوتا چلا جاتا ہے۔ انفاق سے اللہ کے بندوں کے ساتھ حسنِ سلوک کا جذبہ ابھرتا اور نشو و نما پاتا ہے۔ اس عاجز نے اسی رُخ سے ان دونوں موضوعات کا قرآن و حدیث کی روشنی میں مطالعہ کیا ہے۔ نماز، انفاق پر مقدم ہے، اس لیے نماز سے متعلق بحث پہلے آنی چاہیے تھی، لیکن ابھی یہ کسی قدر تکمیل اور نظر ثانی کی محتاج ہے، البتہ انفاق سے متعلق بحث بڑی حد تک مکمل ہے۔ یہ اس وقت پیش کی جارہی ہے۔ اس کے آغاز میں ایمان اور انفاق کا ربطِ باہم اور نماز اور انفاق کا قریبی تعلق واضح کیا گیا ہے۔ اس کے بعد نظامِ شریعت میں انفاق کی حیثیت، اس کی ترغیب اور فضیلت کا بیان ہے۔ اسی مناسبت سے بخل، اس کی شناعت اور اس کے انجامِ بد کا ذکر ہے۔ آخر میں دعوتِ دین کے لیے انفاق کی ضرورت اور اہمیت واضح کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ انفاق ہی کا ایک لازمی حصہ 'زکوٰۃ' ہے۔ اس پہلو سے کتاب میں اس کا تفصیل سے ذکر ہے، لیکن اس کی فقہی اور قانونی تفصیلات سے تعرض نہیں کیا گیا ہے۔

انفاق فی سبیل اللہ کے بعض گوشے میری کتاب 'اسلام میں خدمتِ خلق کا تصور' میں زیر بحث آئے ہیں۔ اس موضوع پر تفصیلی مطالعے کے لیے وہ مفید ثابت ہوسکتی ہے۔

امید ہے، نماز اور انفاق سے متعلق یہ دونوں کتابیں دین کی روح پیدا کرنے اور اپنی اصلاح و تربیت کی راہ میں مفید ثابت ہوں گی۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان حقیر کوششوں کو شرف قبولیت بخشے اور کوتاہیوں اور لغزشوں سے درگزر فرمائے۔

ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم و تب علینا انک أنت التواب الرحیم۔

۲۵/ مارچ ۲۰۰۲ء

جلال الدین عمری

طبع ہفتم

اس کتاب کے چھ ایڈیشن اس سے پہلے طبع ہو چکے ہیں۔ پاکستان سے بھی اس کی اشاعت جاری ہے۔ اس عاجز کی خواہش تھی کہ اب کی بار کتاب نظرِ ثانی کے بعد شائع ہو۔ اس میں تاخیر ہوتی چلی گئی۔ اس لیے ساتویں ایڈیشن کی نوبت اب آرہی ہے۔ میں نے اپنی دیگر مصروفیات ہی کے دوران میں اس پر ایک نظر ڈالی ہے۔ کہیں کہیں حذف و اضافہ کیا ہے اور زبان و بیان کے پہلو سے بھی مزید سبک اور رواں بنانے کی کوشش کی ہے۔ کتاب میں احادیث کے حوالے بہت مختصر تھے۔ جس کتاب یا کتابوں سے احادیث لی گئی ہیں، ان کے صرف نام دیے گئے تھے۔ اس اڈیشن میں احادیث کے مفصل حوالے فراہم کیے گئے ہیں۔ یہ خدمت برادرم ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی کے مشورے سے مولوی عبدالحاکم مجاہد فلاحی نے انجام دی ہے۔ کتاب کی پروف ریڈنگ اور تصحیح میں بھی ان دونوں عزیزوں کا تعاون حاصل رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ جزائے خیر عطا فرمائے۔

مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز کا شکرگزار ہوں کہ وہ کتاب کو پہلے سے بہتر معیار سے پیش کر رہا ہے۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کتاب کو مزید مقبولیت سے نوازے، اس کے بندوں کو اس سے زیادہ سے زیادہ فائدہ پہنچے اور اس عاجز کے لیے ذخیرۂ آخرت ثابت ہو۔

جلال الدین عمری
۲۵/جنوری ۲۰۱۸ء

طبع نہم

اب اس کتاب کا نواں ایڈیشن پریس جا رہا ہے۔ مزید توجہ سے اس کی پروف ریڈنگ کی گئی ہے۔ کہیں کہیں لفظی اصلاح و ترمیم بھی ہوئی ہے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے قبول فرمائے۔ انفاق کے جذبہ کو پیدا کرنے میں یہ معاون ثابت ہو اور بندگان خدا کو اس سے اور زیادہ نفع پہنچے۔

جلال الدین عمری
۱۴/اپریل ۲۰۲۲ء

انفاق فی سبیل اللہ

انفاق، زکوٰۃ اور صدقہ

جس شخص کے پاس دولت ہوتی ہے، وہ عیش و عشرت کی زندگی گزارتا ہے، اپنی نفسانی خواہشات پوری کرتا ہے، عالی شان عمارتیں تعمیر کرتا ہے، اللہ کے بندوں کو اپنا غلام بناتا اور ان کے درمیان اپنی اونچی حیثیت کا اظہار کرتا ہے، لیکن اسلام نے اسے انفاق فی سبیل اللہ کا حکم دیا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ انسان کو اپنا مال اللہ تعالیٰ کی راہ میں صرف کرنا چاہیے۔ کیوں کہ اللہ کے بندے کو اللہ ہی کی راہ میں خرچ کرنے کا حق ہے۔ اگر کسی دوسری مد میں وہ اپنا مال صرف کرتا ہے تو اپنی حد سے تجاوز کرتا ہے۔ انفاق فی سبیل اللہ کے لیے قرآن مجید نے 'زکوٰۃ' کی اصطلاح بھی استعمال کی ہے۔ زکوٰۃ کے اندر پاکی، صفائی اور نشو و نما کا تصور ہے۔ آدمی زکوٰۃ ادا کرتا ہے تو اس کا مال حلال اور طیب ہوجاتا ہے۔ زکوٰۃ ادا نہ ہو تو وہ ناپاک رہتا ہے اور اس سے خیر و برکت ختم ہوجاتی ہے۔ زکوٰۃ سے مال کے نشو و نما پانے اور بڑھنے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں جو مال خرچ کیا جاتا ہے اس کا اجر و ثواب کئی گنا، بلکہ بڑھتے بڑھتے سات سو گنا تک پہنچ جاتا ہے اور اس دنیا میں بھی اللہ تعالیٰ اس میں خیر و برکت اور اضافہ فرماتا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَمَآ اٰتَيْتُمْ مِّنْ رِّبًا لِّيَرْبُوَاْ فِيْٓ اَمْوَالِ النَّاسِ فَلَا يَرْبُوْا عِنْدَ اللّٰهِ ۚ وَمَآ اٰتَيْتُمْ مِّنْ زَكٰوةٍ تُرِيْدُوْنَ وَجْهَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُضْعِفُوْنَ ﴿٣٩﴾

(الروم: ۳۹)

جو تم سود پر دیتے ہو تا کہ لوگوں کے اموال بڑھتے رہیں، تو یہ (سود) اللہ کے نزدیک بڑھتا نہیں ہے اور جو تم زکوٰۃ، (یا پاک جذبہ سے مال) اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے دیتے ہو وہ بڑھتا رہتا ہے۔ یہی لوگ زیادہ پانے والے ہیں۔

زکوٰۃ کے معنی فقہی زبان میں یہ ہیں کہ جو مسلمان صاحبِ نصاب ہو یعنی ایک خاص مقدار میں اس کے پاس اموالِ زکوٰۃ موجود ہوں وہ ان میں سے ایک متعین حصہ اللہ تعالیٰ کے راستے میں لازماً نکالے۔ زکوٰۃ دین کا بنیادی رکن ہے۔ ہر صاحبِ نصاب کے لیے اس کا ادا کرنا فرض ہے۔ زکوٰۃ کے علاوہ اللہ کے راستے میں جس قدر بھی خرچ کیا جائے اس کی بڑی فضیلت ہے۔ وہ آخرت میں بے پایاں اجر وثواب کا باعث ہوگا۔ قرآن مجید میں زکوٰۃ اور انفاق کے لیے 'صدقہ' کا لفظ بھی آیا ہے۔ اس میں سچے دل سے اور اخلاص کے ساتھ اللہ کے راستے میں مال خرچ کرنے کا تصور ہے۔

اللہ تعالیٰ کے احسانات کا اعتراف

انفاق اللہ تعالیٰ کے احسانات کا عملی اعتراف ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان پر بے شمار احسانات کیے ہیں، اُس کا تقاضا ہے کہ وہ اپنے جیسے دوسرے انسانوں کے ساتھ احسان کی روش اختیار کرے۔ اس کی بہترین شکل اُن کی مالی مدد ہے۔ جب ایک شخص محنت سے کمائی ہوئی اپنی دولت کسی محتاج پر صرف کرتا ہے، تو یہ اس بات کی دلیل ہوتی ہے کہ اسے اللہ کے انعامات کا احساس ہے اور وہ اس کا شکریہ ادا کرنا چاہتا ہے۔ مومن اور کافر میں یہی فرق ہے۔ مومن اللہ تعالیٰ کا شکرگزار بندہ

ہوتا ہے اور کافر اللہ کو بھولا ہوا اور احسان فراموش۔ سورۂ بلد میں اللہ تعالیٰ نے انسان پر اپنے بعض احسانات کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

فَلَا اقْتَحَمَ الْعَقَبَةَ ﴿۱۱﴾ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الْعَقَبَةُ ﴿۱۲﴾ فَكُّ رَقَبَةٍ ﴿۱۳﴾ اَوْ اِطْعٰمٌ فِيْ يَوْمٍ ذِيْ مَسْغَبَةٍ ﴿۱۴﴾ يَّتِيْمًا ذَا مَقْرَبَةٍ ﴿۱۵﴾ اَوْ مِسْكِيْنًا ذَا مَتْرَبَةٍ ﴿۱۶﴾ (البلد: ۱۱-۱۶)

لیکن وہ گھاٹی میں نہیں داخل ہوا، کیا تمہیں معلوم ہے کہ وہ گھاٹی کیا ہے؟ وہ ہے گردن کو غلامی سے چھڑانا، یا بھوک کے دنوں میں قرابت دار یتیم کو، یا عاجز مسکین کو کھانا کھلانا۔

انفاق خوفِ خدا کی دلیل

اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنا اس سے خوف اور خشیت کی دلیل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انفاق کو آخرت کے عذاب سے بچنے کا ذریعہ بتایا ہے۔ اس لیے جس شخص کے دل میں آخرت کا خوف ہوگا وہ یقیناً اپنا مال صرف کرکے آخرت کے عذاب سے بچنے کی کوشش کرے گا۔ قرآن کہتا ہے کہ یتیموں اور مسکینوں کو وہی دھکا دے گا جو خدا اور آخرت سے غافل ہے۔ (الماعون: ۲،۳)

جن لوگوں کے دل و دماغ پر اللہ کا خوف اور آخرت کی فکر چھائی ہوئی ہو، ان سے اس سنگ دلی کی توقع نہیں کی جاسکتی۔ ان کا حال بالکل دوسرا ہوتا ہے۔

وَيُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ مِسْكِيْنًا وَّيَتِيْمًا وَّاَسِيْرًا ﴿۸﴾ اِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللّٰهِ لَا نُرِيْدُ مِنْكُمْ جَزَآءً وَّلَا شُكُوْرًا ﴿۹﴾ اِنَّا نَخَافُ مِنْ

وہ کھانے کی خواہش اور ضرورت کے باوجود اسے محتاج، یتیم اور قیدی کو کھلا دیتے ہیں۔ (اور اپنی زبان حال سے کہتے ہیں کہ) ہم تو صرف اللہ کی رضا کے لیے کھلا رہے ہیں۔ ہم تم سے اس کا بدلہ اور

رَّبِّنَا يَوْمًا عَبُوْسًا قَمْطَرِيْرًا ﴿١٠﴾
(الدہر: ۸-۱۰)

شکر گزاری نہیں چاہتے۔ ہم کو اس سخت اور ہولناک دن کا ڈر ہے جس کا آنا ہمارے رب کی طرف سے یقینی ہے۔

مال کے ذریعہ انسانوں کی خدمت

آدمی کے پاس دولت ہو تو وہ اسے اپنے نفس پر خرچ کرتا ہے، اپنے عزیزوں اور رشتہ داروں پر صرف کرتا ہے، اس سے آگے بڑھ کر اس کی داد و دہش قوم اور قبیلہ پر بھی ہوسکتی ہے۔ لیکن اسلام اس کے سامنے بہت وسیع نقطۂ نظر پیش کرتا ہے۔ وہ انسان پر بحیثیت انسان خرچ کرنے کا حکم دیتا ہے۔ وہ ایک مسلمان کا یہ فرض قرار دیتا ہے کہ جو شخص بھوکا ہے اسے کھانا کھلائے، جو ننگا ہے اسے کپڑا پہنائے اور جو محتاج اور دست نگر ہے اس کی دست گیری کرے، خواہ وہ اس کا عزیز ہو یا غیر، اجنبی ہو یا شناسا، اس کے دیس کا ہو یا پردیسی، ہم مذہب ہو یا دوسرے مذہب کا۔ جب بھی وہ کسی حاجت مند کی حاجت پوری کرنے کے موقف میں ہو اسے لازماً اس کی مدد کرنی ہوگی، البتہ یہ فرض اس پر اس وقت عائد نہ ہوگا جب کہ وہ اسے ادا کرنے سے معذور ہو۔

اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنا اس کی رحمت کو دعوت دینا ہے۔ جو شخص محتاج ہے وہ اس بات کا موقع فراہم کرتا ہے کہ اس کی حاجت پوری کرکے آدمی اللہ کی رحمت کا مستحق ہوجائے۔ اسی وجہ سے حدیث میں کہا گیا ہے:

الراحمون یرحمھم الرحمٰن ارحموا من فی الارض یرحمکم من فی السماء[1]

رحم کرنے والوں پر خدائے رحمٰن رحم فرماتا ہے۔ تم زمین والوں پر رحم کرو آسمان والا تم پر رحم فرمائے گا۔

---

[1] ابوداؤد، کتاب الادب، باب فی الرحمۃ۔ ترمذی، کتاب البر والصلۃ، باب ماجاء فی رحمۃ الناس

انفاق کے معاملہ میں اس وسیع نقطۂ نظر کو ہمیشہ پیش نظر رکھنا ہوگا۔ یہی دین و ایمان کا تقاضا اور اس کا فطری مطالبہ ہے۔

اہلِ ایمان سے نماز اور انفاق کا مطالبہ

اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے اور اس کی کتاب کو کتابِ ہدایت ماننے کے بعد پہلا مطالبہ نماز کا ہے۔ اس کے بعد دوسرا مطالبہ اسی انفاق فی سبیل اللہ کا ہے۔ سورۂ فاطر میں یہ بات اسی ترتیب سے کہی گئی ہے:

اِنَّ الَّذِیْنَ یَتْلُوْنَ كِتٰبَ اللّٰهِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَّعَلَانِیَةً یَّرْجُوْنَ تِجَارَةً لَّنْ تَبُوْرَ ﴿۲۹﴾
(فاطر:۲۹)

بے شک وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ کی کتاب کی تلاوت کرتے ہیں، نماز قائم کرتے اور جو کچھ ہم نے ان کو دیا ہے اس میں سے خفیہ اور علانیہ خرچ کرتے ہیں، وہ ایسی تجارت کی امید کرتے ہیں جس میں کبھی گھاٹا نہیں ہوگا۔

ایک جگہ ارشاد ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کا ذکر ہوتا ہے تو ایمان والوں کے دل دہلنے لگتے ہیں۔ اس کی آیات سنائی جاتی ہیں تو ان کے ایمان میں اضافہ ہوتا ہے، ان کا سارا اعتماد اللہ پر ہوتا ہے۔ وہ بس اسی پر توکل کرتے ہیں۔ اہل ایمان کی اس باطنی کیفیت کے بیان کے بعد ان کی اعلیٰ صفات اور ان کی کام یابی اور کام رانی کا ذکر ان الفاظ میں کیا گیا ہے:

اَلَّذِیْنَ یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ یُنْفِقُوْنَ ﴿۳﴾ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا لَهُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَمَغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِیْمٌ ﴿۴﴾
(الانفال:۳،۴)

وہ لوگ جو نماز قائم کرتے ہیں اور جو کچھ ہم نے ان کو دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔ یہی سچے اہل ایمان ہیں۔ ان کے لیے ان کے رب کے پاس بڑے درجے ہیں اور معافی اور باعزت رزق ہے۔

یہی مضمون سورۂ حج کی ان آیات میں بیان ہوا ہے:

...فَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَلَهٗٓ اَسْلِمُوْا ۭ وَ بَشِّرِ الْمُخْبِتِيْنَ ۙ﴿۳۴﴾ الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَالصّٰبِرِيْنَ عَلٰي مَآ اَصَابَهُمْ وَالْمُقِيْمِي الصَّلٰوةِ ۙ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ﴿۳۵﴾

(الحج: ۳۴، ۳۵)

پس تمہارا معبود ایک اللہ ہے، لہٰذا اس کی اطاعت کرو۔ خوش خبری سنادو ان لوگوں کو جو اللہ کے سامنے جھک جاتے (اور اطاعت کرتے) ہیں۔ جب اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو ان کے دل دہلنے لگتے ہیں اور جو تکلیف بھی انہیں پہنچے اس پر وہ صبر کرنے والے اور نماز کے قائم کرنے والے ہیں۔ اور جو کچھ ہم نے ان کو دیا ہے اس میں سے وہ خرچ کرتے رہتے ہیں۔

حزب اللہ کی پہچان

ایک جگہ حزب اللہ میں شامل ہونے کی دعوت دی گئی ہے اور کہا گیا ہے: ''یاد رکھو! حزب اللہ ہی غالب اور فتح یاب ہوگا۔'' حزب اللہ کی پہچان یہ بتائی گئی ہے کہ اللہ، اس کے رسول اور اہلِ ایمان سے ان کا قلبی تعلق ہوتا ہے، وہ اقامت صلوٰۃ اور ایتاء زکوٰۃ کا فرض انجام دیتے ہیں اور اللہ کے سامنے پوری طرح جھک جاتے ہیں۔ کم زور ایمان والوں سے خطاب ہے:

اِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ رٰكِعُوْنَ ﴿۵۵﴾ وَمَنْ يَّتَوَلَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَاِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْغٰلِبُوْنَ ﴿۵۶﴾

(المائدۃ: ۵۵، ۵۶)

تمہارے دوست تو اللہ اور اس کے رسول ہیں اور وہ لوگ ہیں جو ایمان لے آئے ہیں، جو نماز قائم کرتے اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور ان کا حال یہ ہے کہ وہ اللہ کے سامنے جھکنے والے ہیں۔ جو لوگ اللہ، اس کے رسول اور ایمان والوں کو دوست رکھیں (وہ حزب اللہ ہیں) اور بے شک حزب اللہ ہی غالب ہونے والا ہے۔

نماز اور انفاق رسولوں کی تعلیم میں

اللہ تعالیٰ کے رسولوں کی تعلیم میں نماز کے ساتھ زکوٰۃ اور انفاق بھی شامل رہا ہے۔ حضرت اسماعیلؑ کے ذکر میں ہے:

وَكَانَ يَأْمُرُ أَهْلَهُ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ ۖ وَكَانَ عِنْدَ رَبِّهِ مَرْضِيًّا ﴿٥٥﴾ وہ اپنے گھر والوں کو نماز اور زکوٰۃ کا حکم دیتے تھے اور وہ اپنے رب کے نزدیک پسندیدہ تھے۔ (مریم: ۵۵)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرماتے ہیں:

وَأَوْصٰنِي بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ مَا دُمْتُ حَيًّا ﴿٣١﴾ اللہ نے مجھے جب تک میں زندہ رہوں نماز اور زکوٰۃ کی تاکید کی ہے۔ (مریم:۳۱)

بنو اسرائیل سے نماز کے ساتھ زکوٰۃ کا بھی عہد و پیمان لیا گیا تھا۔ (البقرۃ: ۹۳)

ان سے کہا گیا تھا کہ اگر تم نے نماز اور زکوٰۃ کی پابندی کی، اللہ کے رسولوں پر ایمان لائے، ان کی نصرت و حمایت میں کھڑے ہوئے اور اللہ کو قرضِ حسن دیا تو اللہ تعالیٰ تمہاری غلطیوں اور کوتاہیوں کو معاف کردے گا اور آخرت کی نعمتوں سے سرفراز فرمائے گا۔ (المائدۃ: ۱۲)

یہ حضرت ابراہیمؑ کے خانوادے اور ان کی نسل سے مبعوث بعض پیغمبروں اور بنو اسرائیل کا ذکر ہے۔ اس سے یہ قیاس کیا جاسکتا ہے کہ زکوٰۃ اور انفاق کی تمام ہی انبیاء اپنی امتوں کو ہدایت کرتے رہے ہیں، اس لیے کہ ان سب کی بنیادی تعلیمات ایک رہی ہیں۔

نماز اور انفاق کا ایک ساتھ حکم قرآن میں

نماز دین کا ستون ہے۔ قرآن مجید نے زکوٰۃ، یا انفاق فی سبیل اللہ کو نماز کے ساتھ جوڑ دیا ہے۔ جہاں وہ نماز کا ذکر کرتا ہے بالعموم اس کے پہلو میں انفاق فی سبیل اللہ کا بھی تذکرہ کرتا ہے۔ قرآن مجید کے پہلے پارے کے شروع میں خدا ترس اور متقی انسانوں کا ذکر ان الفاظ میں آیا ہے:

اَلَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۝ (البقرہ: ۳)

وہ غیب پر ایمان رکھتے ہیں اور نماز قائم کرتے ہیں اور جو کچھ ہم نے ان کو دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔

سورۂ نمل کے شروع میں کہا گیا ہے کہ اس کتابِ مبین میں ایمان والوں کے لیے ہدایت اور خوش خبری کا سامان ہے۔ ان کے متعلق کہا گیا:

اَلَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ ۝ (النمل: ۳)

جو نماز قائم کرتے اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور یہ وہ ہیں جو آخرت پر پورا یقین رکھتے ہیں۔

سورۂ لقمان میں فرمایا گیا کہ یہ کتابِ حکیم محسنوں اور نکوکاروں کے لیے باعثِ ہدایت و رحمت ہے۔ جن صفات کی بنا پر انہیں کام یاب اور فلاح یاب قرار دیا گیا ہے، وہ یہ ہیں:

اَلَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ ۝ اُولٰٓئِكَ عَلٰى هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝ (لقمان: ۴، ۵)

وہ نماز قائم کرتے ہیں اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور یہ وہ ہیں جو آخرت پر پورا یقین رکھتے ہیں۔ یہ اپنے رب کے سیدھے راستہ پر ہیں اور یہی فلاح پانے والے ہیں۔

یہ اور اس نوع کی بہت سی آیات میں نماز کے ساتھ انفاق، یا زکوٰۃ کا ذکر ہے۔ ان دونوں کا مقصد اور روح ایک ہے۔ اسلام کا اپنے ماننے والوں سے مطالبہ یہ ہے کہ ایک طرف تو وہ اقامتِ صلوٰۃ کا اہتمام کریں اور دوسری طرف اللہ تعالیٰ کی راہ میں اپنا مال خرچ کریں۔ اسی پر دنیا و آخرت کی فلاح کا دارو مدار ہے۔ اس کے بغیر کامیابی کا تصور نہیں کیا جاسکتا۔

نمازِ تہجد اور انفاق

نماز تہجد، اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں کی خاص پہچان ہے۔ قرآن مجید اس کے ساتھ ان کے انفاق کا حوالہ ضرور دیتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ والے محض شب زندہ دار ہی نہیں ہوتے، بلکہ اللہ نے انہیں مال و دولت سے نوازا ہے تو اس کا ایک حصہ اس کی راہ میں صرف بھی کرتے ہیں۔ اللہ کے ہاں ان کی جزا، وہم و خیال سے بھی بالاتر ہوگی۔

تَتَجَافٰى جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَّ طَمَعًا ۫ وَّمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۝۱۶ فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ اُخْفِيَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْيُنٍ ۚ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝۱۷

(السجدۃ: ۱۶، ۱۷)

ان کے پہلو، ان کی خواب گاہوں سے الگ رہتے ہیں، وہ اپنے رب کو خوف اور امید سے پکارتے ہیں اور جو کچھ ہم نے ان کو دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔ ان کی آنکھوں کی ٹھنڈک کے لیے (اللہ کے ہاں) جو چھپا کر رکھا گیا ہے وہ کسی نفس کو نہیں معلوم ہے۔ یہ جزا ہے ان کے اعمال کی جو وہ کرتے تھے۔

ایک جگہ یہ مضمون بیان ہوا ہے کہ خدا ترس بندے جنتوں میں ہوں گے، ان میں چشمے بہہ رہے ہوں گے، ان کا رب انہیں نواز رہا ہوگا اور وہ اس کے

انعامات پا رہے ہوں گے۔ اس لیے کہ وہ اس دنیا کی زندگی میں محسن اور نکوکار تھے۔ ان کے اوصاف ذرا ملاحظہ ہوں:

اِنَّ الْمُتَّقِیْنَ فِیْ جَنّٰتٍ وَّعُیُوْنٍ ﴿۱۵﴾ اٰخِذِیْنَ مَآ اٰتٰىهُمْ رَبُّهُمْ ۭ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَبْلَ ذٰلِكَ مُحْسِنِیْنَ ﴿۱۶﴾ كَانُوْا قَلِیْلًا مِّنَ الَّیْلِ مَا یَهْجَعُوْنَ ﴿۱۷﴾ وَبِالْاَسْحَارِ هُمْ یَسْتَغْفِرُوْنَ ﴿۱۸﴾ وَفِیْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّآىِٕلِ وَالْمَحْرُوْمِ ﴿۱۹﴾ (الذاریات:۱۵-۱۹)	بے شک اللہ سے ڈرنے والے باغوں اور چشموں میں ہوں گے۔ لے رہے ہوں گے جو ان کا رب انہیں دے گا۔ بے شک وہ اس سے پہلے نکوکار تھے۔ رات کو کم ہی سویا کرتے تھے اور سحر کے اوقات میں مغفرت طلب کرتے تھے۔ ان کے مالوں میں سائل اور محروم کا حق تھا۔

ایک اور تصویر دیکھیے۔ وہ خوش نصیب انسان جو قیامت میں مستحقِ جنت ہوں گے، ان کے صبر و ثبات، ایمان کی صداقت، اطاعت و فرماں برداری اور دعائے سحر گاہی کا ذکر ہے۔ اسی کے درمیان میں ان کی اس خوبی کو بھی اجاگر کیا گیا ہے کہ وہ اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں۔

اَلصّٰبِرِیْنَ وَالصّٰدِقِیْنَ وَالْقٰنِتِیْنَ وَالْمُنْفِقِیْنَ وَالْمُسْتَغْفِرِیْنَ بِالْاَسْحَارِ ﴿۱۷﴾ (آل عمران: ۱۷)	وہ صبر کرنے والے ہیں، راست باز ہیں، اطاعت گزار ہیں، انفاق کرنے والے ہیں اور آخر شب میں استغفار کرنے والے ہیں۔

نماز اور انفاق شریعت کی اساس ہیں

نماز اور انفاق کی یہ اہمیت اس لیے ہے کہ یہ شریعت کے لیے بنیاد فراہم کرتے ہیں، ان سے اس کا ایک مکمل نظام وجود میں آتا ہے۔ نماز اللہ تعالیٰ سے انسان کے تعلق کو استوار کرتی اور اسے اللہ کی اطاعت اور فرماں برداری کے لیے

تیار کرتی ہے۔ زکوٰۃ اور انفاق بظاہر مالی تعاون کی ایک صورت ہے، لیکن اس کے ذریعہ سے انسان کے اندر بندوں کے حقوق ادا کرنے اور ان کی مشکلات میں کام آنے کا جو جذبہ ابھرتا ہے اس کی بڑی اہمیت ہے۔ اس سے خدمت، حسنِ سلوک، ایثار، ہمدردی اور خیرخواہی جیسی اعلیٰ اخلاقیات پرورش پاتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اطاعت اور اس کے بندوں سے اخلاص اور خیرخواہی کا تعلق، دو ایسے عنوانات ہیں، جن کے تحت پوری شریعت آجاتی ہے۔ ان پر ٹھیک ٹھیک عمل، انسان کو اس قابل بناتا ہے کہ وہ پورے دین پر گام زن ہوسکے۔

یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید میں دین و ایمان کے جو تقاضے بیان ہوئے ہیں ان میں نماز اور انفاق سب سے نمایاں ہیں۔ اہل ایمان سے ان کا ایک ساتھ مطالبہ ہے۔ ارشاد ہے:

قُلْ لِّعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَيُنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا بَيْعٌ فِيْهِ وَلَا خِلٰلٌ ۝ (ابراہیم: ۳۱)

کہو میرے ان بندوں سے جو ایمان لائے ہیں کہ نماز قائم کریں اور جو کچھ ہم نے ان کو دیا ہے اس میں سے کھلے اور چھپے طریقہ سے خرچ کریں، قبل اس کے کہ وہ دن آجائے جس میں نہ تو خرید و فروخت ہوگی اور نہ کوئی دوستی ہوگی۔

نماز اور زکوٰۃ ایمان کی پہچان

نماز اور زکوٰۃ ایمان کی پہچان ہے۔ کوئی گروہ اسلامی ریاست سے برسرِ جنگ ہو، پھر وہ جنگ سے باز آجائے، نماز اور زکوٰۃ ادا کرنے لگے، تو جنگ ختم ہوجائے گی۔ مدینے کی اسلامی ریاست حالت جنگ میں تھی۔ مشرکین عرب سے، جو اسلام کو ختم کرنے کے درپے تھے، مقابلہ جاری تھا۔ اس سلسلے میں جو قوانینِ جنگ

بیان ہوئے اور جو ہدایات دی گئیں ان میں ایک ہدایت یہ تھی:

فَاِنْ تَابُوْا وَاَقَامُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتَوُا الزَّکٰوۃَ فَخَلُّوْا سَبِیْلَهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ۝۵ (التوبۃ: ۵)

اگر وہ توبہ کرلیں اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ دیا کریں تو ان سے تعرض نہ کرو، بے شک اللہ بخشنے والا اور مہربان ہے۔

اِسی ذیل میں اللہ کے بندوں کو اس کے دین سے باز رکھنے کی وہ جو کوشش کر رہے تھے اس کا اور ان کی بے مروتی، بدعہدی اور ظلم و زیادتی کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

فَاِنْ تَابُوْا وَاَقَامُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتَوُا الزَّکٰوۃَ فَاِخْوَانُکُمْ فِی الدِّیْنِ ؕ وَنُفَصِّلُ الْاٰیٰتِ لِقَوْمٍ یَّعْلَمُوْنَ۝۱۱ (التوبۃ: ۱۱)

پس اگر وہ توبہ کریں، نماز قائم کریں اور زکوٰۃ دیا کریں تو وہ احکامِ دین میں تمہارے بھائی ہیں اور ہم آیات کھول کر بیان کرتے ہیں ان لوگوں کے لیے جو جانتے ہیں۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر وہ اپنا رویہ بدل دیں، نماز اور زکوٰۃ سے اس کا ثبوت فراہم کردیں تو وہ اسلامی برادری میں شامل سمجھے جائیں گے۔ ان کو وہ سارے حقوق حاصل ہوں گے جو دوسرے مسلمانوں کو حاصل ہیں۔ اس سے یہ بات بھی نکلتی ہے کہ کوئی شخص اسلام کے دعوے کے بعد نماز کی پابندی نہ کرے، یا زکوٰۃ ادا نہ کرے تو اسلامی ریاست جبراً اسے اس کی پابند بنائے گی اور اس کے خلاف سخت اقدام کرے گی۔ مسلمانوں کا کوئی گروہ نماز، یا زکوٰۃ ترک کردے تو اس کے خلاف وہ طاقت بھی استعمال کرسکتی ہے۔

جان و مال کی قربانی پر جنت کا وعدہ

مال و دولت کے لیے تاجر تجارت کرتا ہے، دکان دار اپنی دکان سجاتا ہے،

سرمایہ دار کارخانے اور فیکٹریاں کھولتا ہے، مزدور اپنا خون پسینہ بہاتا ہے۔ اگر یہ ساری کوششیں جائز حدود میں ہوں تو اسلام اس سے منع نہیں کرتا، البتہ وہ یہ حقیقت ہمارے سامنے رکھتا ہے کہ محنت سے کمائے ہوئے سرمائے کو اگر انسان اللہ تعالیٰ کے ہاتھ فروخت کردے تو آخرت میں اسے جنت جیسی دکھوں سے پاک اور دائمی سکھ کی جگہ حاصل ہوگی اور وہ آسائش و راحت میں ابدی زندگی گزارے گا۔ جو شخص اس جنت کے لیے اپنی جان اور اپنا مال اللہ کے حوالے کردے وہ مومن ہے۔ اللہ کا وعدہ ہے کہ اس کے اس ایثار اور قربانی کا بدلہ اسے جنت کی شکل میں ملے گا۔

اِنَّ اللّٰہَ اشۡتَرٰی مِنَ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ	یقیناً اللہ نے مومنوں سے ان کے نفس اور
اَنۡفُسَہُمۡ وَ اَمۡوَالَہُمۡ بِاَنَّ لَہُمُ الۡجَنَّۃَ ؕ	مال جنت کے عوض خرید لیے ہیں۔

(التوبۃ: ۱۱۱)

اس سے بڑی کام یابی اور کیا ہوسکتی ہے کہ انسان اپنی حقیر اور بے ثبات جان، اور ناپائے دار مال اللہ کی راہ میں دے کر جنت کی لازوال نعمتوں کا مستحق ہوجائے۔

انفاق کی ترغیب

قرآن و حدیث میں بار بار زکوٰۃ کی تاکید اور امورِ خیر میں انفاق کی ترغیب دی گئی ہے اور اس کی فضیلت اور اجر و ثواب کا بیان ہوا ہے۔ سورۂ مزمل کے آخر میں ارشاد ہے:

وَ اَقِیۡمُوا الصَّلٰوۃَ وَ اٰتُوا الزَّکٰوۃَ وَ اَقۡرِضُوا	نماز قائم کرو اور زکوٰۃ دو اور اللہ کو قرض دو اچھا
اللّٰہَ قَرۡضًا حَسَنًا ؕ وَ مَا تُقَدِّمُوۡا	قرض اور جو بھی نیک عمل تم اپنے لیے آگے
لِاَنۡفُسِکُمۡ مِّنۡ خَیۡرٍ تَجِدُوۡہُ	بھیجو گے اسے اللہ کے پاس پاؤ گے کہ وہ بہتر

عِنۡدَ اللّٰهِ هُوَ خَيۡرًا وَّاَعۡظَمَ اَجۡرًا ؕ اور ثواب میں بہت بڑا ہوگا اور اللہ
وَاسۡتَغۡفِرُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوۡرٌ سے استغفار کرو۔ بے شک اللہ غفور و
رَّحِيۡمٌ ﴿۲۰﴾ (المزمل:۲۰) رحیم ہے۔

یہ اس بات کی ہدایت ہے کہ نماز کے ساتھ زکوٰۃ پر بھی عمل ہو اور خیر کے کاموں میں بخوشی اپنا مال لگایا جائے۔ نیکی کی راہ میں جو دولت صرف ہوتی ہے وہ اس سروسامان سے بہتر ہے جسے انسان اس دنیا میں چھوڑ جاتا ہے، اس لیے کہ اس کا بے پایاں اجر وثواب اللہ کے ہاں ملنے والا ہے۔

حضرت ابو ہریرہؓ نے ایک حدیثِ قدسی روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے، ابن آدم! تو خرچ کر میں تجھ پر خرچ کروں گا۔[1]

مطلب یہ کہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں انفاق سے بندے کی طرف اللہ کی توجہ اور عنایت ہوتی ہے۔ وہ خرچ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے نوازتا رہتا ہے۔

حضرت ابوبکرؓ کی صاحب زادی حضرت اسماءؓ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: خرچ کرو، گن گن کر نہ رکھو (کہ کل کام آئے گا) اللہ بھی گن گن کر دے گا۔ برتن بند کر کے نہ رکھو، اللہ تعالیٰ بھی تم پر رزق کے دروازے بند رکھے گا۔ تھوڑا بہت جو کچھ خرچ کرسکتی ہو خرچ کرو۔[2]

صدقہ و خیرات اور انفاق کی فضیلت اس وقت زیادہ ہے جب کہ آدمی کے اندر زندگی کی اُمنگ کارفرما اور خوش حالی کی تمنا موج زن ہو اور نگاہوں میں مستقبل کے منصوبے گردش کر رہے ہوں۔ حضرت ابوہریرہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے ایک شخص نے دریافت کیا کہ سب سے بڑے اجر و ثواب والا

---

[1] بخاری، کتاب النفقات، باب فضل النفقۃ علی الاھل۔ مسلم، کتاب الزکاۃ، باب الحث علی النفقۃ الخ۔

[2] بخاری، کتاب الزکاۃ، باب التحریض علی الصدقۃ والشفاعۃ فیھا۔ مسلم، کتاب الزکاۃ، باب الحث علی الانفاق وکراھۃ الاحصاء۔

صدقہ کون سا ہے؟ آپؐ نے فرمایا: وہ صدقہ جسے تم صحت اور تندرستی کی حالت میں کرو، اس حال میں کرو کہ تمہارے اندر مال کی خواہش ہو اور تمہیں فقر و احتیاج کا اندیشہ ہو، ساتھ ہی تونگری کی توقع ہو۔ انفاق میں تاخیر نہ کرو کہ جب عالمِ نزع طاری ہوجائے اور جان حلق میں پہنچ جائے تو اس وقت کہو کہ یہ فلاں کا ہے اور یہ فلاں کا۔ وہ تو اُن کا ہو ہی جائے گا۔[1]

حضرت ابوسعید خدریؓ کی روایت میں ہے کہ آدمی کا اپنی حیات میں ایک درہم خرچ کرنا موت کے وقت سو درہم خرچ کرنے سے بہتر ہے۔[2]

انفاق میں اسلام نے ایک فطری ترتیب رکھی ہے۔ اسے پیش نظر رکھنا چاہیے۔ اس سے اس میں مطلوب توازن پیدا ہوتا ہے۔

حضرت ثوبانؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: وہ دینار سب سے افضل ہے جسے آدمی اپنے اہل وعیال پر خرچ کرے اور (پھر) وہ دینار ہے جسے آدمی اللہ کے راستے میں استعمال ہونے والی سواری پر صرف کرے، (اس کے بعد) وہ دینار ہے جسے آدمی اپنے ان ساتھیوں پر خرچ کرے جو اللہ کی راہ میں نکلے ہوئے ہیں۔[3]

انسان کے مال میں اس کے اہل وعیال اور متعلقین کا حق مقدم ہے۔ اس کی قانونی ذمہ داری ہے کہ ان کی بنیادی ضروریات پوری کرے، لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ آدمی کی ساری توجہ اہل وعیال اور خاندان کی خوش حالی اور معاشی ترقی کی طرف ہو اور دین کے دوسرے تقاضوں سے وہ صرف نظر کرنے لگے۔

---

[1] بخاری، کتاب الزکاۃ، باب ایُّ الصدقۃ افضل و صدقۃ الشحیح الخ۔ مسلم، کتاب الزکاۃ، باب بیان انّ افضل الصدقۃ الخ۔

[2] ابوداؤد، کتاب الوصایا، باب ماجاء فی کراھیۃ الاضرار فی الوصیۃ۔

[3] مسلم، کتاب الزکاۃ، باب فضل النفقۃ علی العیال والمملوک واثم من ضیَّعھُم اوحبس نفقتھم عنھم۔

یہ انفاق فی سبیل اللہ کے مطالبہ اور اس کی روح کے خلاف ہے۔

حدیث میں جود و سخا کی تعریف اور بخل کی مذمت کے ساتھ اس نفسیاتی کیفیت کا بھی ذکر ہے جس سے سخی اور بخیل دو چار ہوتا ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بخیل اور سخی کی مثال دو ایسے افراد کی ہے جنہیں لوہے کی دو زرہیں پہنا دی جائیں اور ہاتھ اوپر کر کے سینے اور گلے سے کس دیے جائیں۔ سخی جب صدقہ و خیرات کا ارادہ کرتا ہے تو زرہ کی کڑیاں ڈھیلی پڑ جاتی ہیں یہاں تک کہ اس کا نشان ختم ہو جاتا ہے اور جب بخیل کچھ خرچ کرنے کا ارادہ کرتا ہے تو اس کی کڑیاں اپنی جگہ جم جاتی ہیں، وہ انہیں ڈھیلا کرنا چاہتا ہے مگر ڈھیلا نہیں کر پاتا۔[۱]

مطلب یہ کہ سخی خیرات اور انفاق کا ارادہ کرتا ہے تو اس کا سینہ کھل جاتا ہے۔ مال کی اس کی نگاہ میں وقعت نہیں رہتی اور اس کا ہاتھ جود و سخا کے لیے آسانی سے بڑھتا ہے، لیکن بخیل خرچ کرنے کا ارادہ کرتا ہے تو مال کی محبت اس پر غالب آجاتی ہے، اس کا سینہ بھنچنے لگتا ہے اور اس کی مٹھی نہیں کھلتی۔ دوسرے لفظوں میں سخی کے لیے انفاق آسان اور بخیل کے لیے دشوار ہو جاتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ کے انفاق کی کیفیت

رسول اللہ ﷺ کی سخاوت اور آپ کا انفاق بے مثال تھا۔ روایات میں آتا ہے: **كَانَ اَجْوَدُ النَّاسِ بِالْخَيْرِ**[۲] ”آپ انسانوں میں سب سے بڑے سخی تھے۔“ آپ دنیا سے اس حال میں تشریف لے گئے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آپ نے کوئی دینار و درہم یا کوئی بکری اور اونٹ نہیں چھوڑا اور نہ کسی چیز کی وصیت کی۔[۳]

---

۱ مسلم، کتاب الزکاۃ، باب مثل المنفق والبخیل۔ ۲ بخاری، کتاب الصوم، باب اجود ما کان النبی ...الخ، مسلم، کتاب الفضائل، باب کان النبی أجود الناس بالخیر۔ ۳ مسلم، کتاب الوصیۃ، باب ترک الوصیۃ ...الخ۔

اُم المومنین حضرت جویریہؓ کے بھائی حضرت عمرو بن حارثؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی وفات کے وقت کوئی دینار نہ درہم، غلام نہ باندی اور نہ کوئی دوسری چیز چھوڑی۔ صرف آپ کا خچر تھا (جسے دُلدُل کہا جاتا تھا اور شاہ مقوقس نے ہدیہ کیا تھا) اور جنگ کا اسلحہ (بعض روایات میں آتا ہے کہ ایک زرہ تھی جو ایک یہودی کے پاس رہن تھی) اور زمین جسے آپ نے (متعلقین پر) صدقہ قرار دیا (یہ وراثت میں منتقل نہیں ہوئی)۔[1]

رسولِ خدا ﷺ کے جذبۂ انفاق کا اندازہ حضرت ابوہریرہؓ کی ایک روایت سے ہوتا ہے۔ کہتے ہیں کہ آپؐ نے ارشاد فرمایا: اگر میرے پاس اُحد پہاڑ کے برابر بھی سونا ہوتو مجھے اس بات سے خوشی ہوگی کہ تین شب و روز گزرنے سے پہلے ہی (وہ سب تقسیم ہوجائے اور) میرے پاس اتنی رقم کے علاوہ جس سے قرض ادا ہو، کچھ باقی نہ رہے۔[2]

عقبہ بن حارثؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے مدینہ منورہ میں رسول اللہ ﷺ کے پیچھے عصر کی نماز پڑھی۔ سلام پھیرتے ہی آپؐ فوراً کھڑے ہوگئے اور لوگوں کو درمیان سے ہٹاتے ہوئے ازواج مطہرات میں سے ایک کے گھر کی طرف تیزی سے روانہ ہوگئے۔ آپؐ کی اس عجلت کو دیکھ کر لوگ گھبرا گئے۔ آپ مکان سے باہر تشریف لائے اور محسوس فرمایا کہ لوگوں کو اس سے تعجب ہوا ہے۔ اس پر آپؐ نے بتایا کہ گھر پر (صدقے کے) سونے کا ایک ڈھیلا رہ گیا ہے، مجھے یہ بات اچھی نہ لگی کہ مصروفیات میں وہ رہ جائے۔ میں نے اسے تقسیم کرنے کے لیے کہہ دیا ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ مجھے یہ بات پسند نہ آئی کہ رات بھر وہ سونا پڑا رہ جائے۔[3]

۱۔ بخاری، کتاب الوصایا، باب الوصایا۔ ۲۔ بخاری، کتاب فی الاستقراض، باب اداء الدین

۳۔ بخاری، کتاب الزکاۃ، باب من احبّ تعجیل الصدقۃ من یومھا۔

حضرت عائشہؓ رسول اللہ ﷺ کے مرض الموت کا واقعہ بیان کرتی ہیں کہ آپؐ نے مجھے چھ، یا سات دینار تقسیم کے لیے دیے تھے، لیکن آپ کی علالت کی وجہ سے مجھے اس کا موقع نہیں ملا۔ آپ نے ان دیناروں کے بارے میں دریافت فرمایا تو میں نے عرض کیا، قسم بہ خدا! آپ کی بیماری میں مجھے ان کا خیال نہ رہا۔ آپ نے وہ دینار طلب فرمائے اور ہاتھ پر رکھ کر فرمایا: اللہ کا (اپنے نبی کے بارے میں) کیا گمان ہوگا اگر وہ اس سے اس حال میں ملے کہ اس کے پاس یہ دینار ہوں[1]

اللہ کی راہ میں سب کچھ لٹا دینا رسول خدا ﷺ کی سیرت کا ایک نمایاں پہلو رہا ہے۔ اس سے امت تا قیامت جذبہ اور راہ نمائی حاصل کرتی رہے گی۔

انفاق بڑے نفع کا سودا

اللہ تعالیٰ کی راہ میں انفاق اتنا بڑا نفع کا سودا ہے کہ آدمی آسانی سے اس کا تصور نہیں کرسکتا۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی کسان ایک دانا بوئے اور سات سو دانے کاٹے۔

مَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْۢبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِيْ كُلِّ سُنْۢبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ ۭ وَاللّٰهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ۝۲۶۱ (البقرۃ:۲۶۱)

ان لوگوں کی مثال جو اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں، ایسی ہے جیسے ایک دانہ (بویا جائے) اس سے سات بالیں نکلیں اور ہر بال میں سو دانے ہوں۔ اللہ جس کے لیے چاہتا ہے (اس سے بھی زیادہ) اضافہ کرتا ہے۔ اللہ وسعت والا اور علم والا ہے۔

انسان بہت بڑا نادان ہے۔ وہ سمجھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنے میں اس کا خسارہ ہے، حالانکہ یہ نقصان کا نہیں بلکہ سراسر نفع کا سودا ہے۔

---

[1] مسند احمد: ۷/۱۵۱۔

وہ آج جو مال خرچ کرے گا کل اس کا بہترین صلہ اسے ملے گا۔ یہاں ایک پیسہ صرف کرے گا تو وہ بڑھ کر دس، بلکہ سات سو پیسے کی شکل میں اس کے سامنے آئے گا۔ یہی نہیں بلکہ فرمایا: ''اللہ جسے چاہے گا اس سے بھی بڑا اجر عطا کرے گا اور اللہ وسعت اور علم والا ہے۔'' یعنی انسان نے اس دنیا میں جو کچھ خرچ کیا ہے اللہ تعالیٰ آخرت میں اس کا اجر سات سو گنا سے بھی زیادہ دے سکتا ہے۔ اس کے پاس کسی چیز کی کمی نہیں ہے۔ ذرا سوچیے! جو اجر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملے اور فزوں تر ہوکر ملے، اس اجر و اضافے کو کن الفاظ میں بیان کیا جاسکتا ہے؟ جو اللہ کا بندہ اس اجرِ عظیم کا مستحق قرار پائے کون ہے جو اس کی سعادت پر رشک نہ کرے؟

حضرت ابو ذرؓ نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا۔ صدقے کا اجر وثواب کیا ہے؟ آپؐ نے ارشاد فرمایا: اَضْعَافٌ مُّضَاعَفَةٌ وَعِنْدَ اللّٰهِ الْمَزِيْدُ[1] ''اس کا ثواب بڑھا چڑھا کر دیا جائے گا اور اللہ کے پاس تو اس سے بھی زیادہ ہے۔''

خوش نصیب ہیں وہ جو اپنا مال اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں اور کھلے دل سے خرچ کرتے ہیں، کیوں کہ ان کا مال بے حساب اضافے کے ساتھ ان کو لوٹایا جائے گا۔ اور اس وقت لوٹایا جائے گا جب کہ وہ خالی ہاتھ ہوں گے اور اس بات کے محتاج ہوں گے کہ اللہ تعالیٰ کا دستِ کرم ان پر ہو۔

قرضِ حسن

انفاق فی سبیل اللہ کو قرآن مجید کے مختلف مقامات پر 'قرضِ حسن' یا اچھا قرض کہا گیا ہے۔ قرضِ حسن یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں حلال اور طیب مال خرچ کیا جائے اور اخلاص اور خوش دلی کے ساتھ خرچ کیا جائے۔ ارشاد ہے:

---

[1] مسند احمد: ۳۵۶/۶

مَنْ ذَا الَّذِیْ یُقْرِضُ اللّٰہَ قَرْضًا حَسَنًا فَیُضٰعِفَہٗ لَہٗۤ اَضْعَافًا کَثِیْرَۃً ؕ وَاللّٰہُ یَقْبِضُ وَیَبْصُۜطُ ۪ وَاِلَیْہِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۲۴۵﴾
(البقرہ: ۲۴۵)

کون ہے جو اللہ کو قرض دے اچھا قرض، پھر وہ اسے بڑھا کر کئی گنا کر دے (اور اس کے مطابق ثواب دے) اور اللہ ہی رزق میں تنگی کرتا اور کشادگی عطا کرتا ہے اور اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے۔

انفاق فی سبیل اللہ کو قرض اس لیے کہا گیا ہے کہ جس طرح قرض واجب الادا ہوتا ہے اسی طرح اللہ کے راستے میں جو پیسہ خرچ کیا جائے وہ اس کے ذمے قرض ہے۔ جسے وہ آخرت میں لازماً ادا کرے گا اور آدمی کے اندازے یا قیاس و گمان سے زیادہ اضافوں کے ساتھ ادا کرے گا۔ وہی ان اضافوں کا حال بہتر طور پر جانتا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی مہربانی اور کرم ہے کہ اس کا دیا ہوا مال بندہ جب اس کے راستے میں خرچ کرتا ہے تو اسے وہ اپنے اوپر قرض سے تعبیر کرتا ہے، اس قرضِ حسن کا اور اس کے اجر کا ذکر ایک جگہ ان الفاظ میں ہے:

اِنَّ الْمُصَّدِّقِیْنَ وَالْمُصَّدِّقٰتِ وَاَقْرَضُوا اللّٰہَ قَرْضًا حَسَنًا یُّضٰعَفُ لَہُمْ وَلَہُمْ اَجْرٌ کَرِیْمٌ ﴿۱۸﴾
(الحدید: ۱۸)

بے شک صدقہ کرنے والے مردوں اور صدقہ کرنے والی عورتوں اور جنہوں نے اللہ کو قرض دیا، اچھا قرض، انہیں ان کا (صلہ) دگنا کر کے دیا جائے گا اور ان کے لیے باعزت اجر و ثواب ہے۔

روایت ہے کہ ابو دحداح انصاریؓ نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ کیا اللہ تعالیٰ ہم سے قرض طلب کر رہا ہے؟ آپ نے فرمایا، ہاں! اے ابو دحداح! انہوں نے عرض کیا، اے اللہ کے رسول ہاتھ بڑھایئے (میں اقرار کرتا ہوں) میں نے اپنے رب عزوجل کو اپنا باغ قرض دے دیا ہے۔ یہ بہت بڑا باغ تھا۔ اس میں کھجور کے چھ سو درخت تھے۔ اسی میں ان کے بیوی بچے بھی رہتے تھے۔ باغ کی

ملکیت سے دست بردار ہوکر نکلے تو اس میں داخل نہیں ہوئے۔ کنارے کھڑے ہوکر بیوی کو آواز دی امّ دحداح! باہر نکل آؤ۔ میں نے اپنے رب کو یہ باغ قرض دے دیا ہے۔ بیوی نے کہا کہ بہت اچھا سودا کیا تم نے۔ وہاں سے اپنا سامان اور بچوں کو لے کر نکل آئیں۔ رسول خدا ﷺ نے فرمایا: کتنے ہی بڑے بڑے اور کھجور سے لدے ہوئے درخت ابو دحداح کے لیے جنت میں ہیں[1]۔

ہر وقت اور ہر حال میں انفاق

اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں کی ایک نمایاں خوبی یہ ہے کہ ان کے دلوں میں مال و اسباب کی محبت کی جگہ اللہ تعالیٰ کی اور اس کے دین کی محبت جاگزیں ہوتی ہے۔ وہ رات کے اندھیرے اور دن کے اجالے میں خفیہ اور علانیہ اپنی دولت لٹاتے رہتے ہیں۔

اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿٢٧٤﴾ (البقرہ: ۲۷۴)	جو لوگ اپنے اموال رات اور دن چھپے اور کھلے طریقہ سے خرچ کرتے ہیں، ان کے لیے ان کا اجر ان کے رب کے پاس ہے۔ انہیں نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔

اہل ایمان دولت و ثروت کے مالک ہوں یا عسرت و تنگ دستی سے گزر رہے ہوں، انفاق فی سبیل اللہ کا ثبوت دیتے رہتے ہیں۔ حالات موافق ہوں یا ناموافق ہر حال میں ان کا یہ جذبہ زندہ اور بیدار رہتا ہے۔ قرآن مجید ان کی اس رخ سے تعریف کرتا ہے:

---

[1] ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم: ۴/ ۳۰۷ بحوالہ ابن ابی حاتم۔

اَلَّذِیۡنَ یُنۡفِقُوۡنَ فِی السَّرَّآءِ وَ الضَّرَّآءِ جو خوش حالی اور تنگ دستی میں خرچ کرتے ہیں۔ (آل عمران: ۱۳۴)

ایک تونگر، زرو جواہر لٹا کر بھی آسائش و راحت کی زندگی گزار سکتا ہے، لیکن ایک نادار اور فقیر اپنی جھولی خدا کی راہ میں خالی کردے اور مسرت سے جھوم اٹھے کہ جو کچھ تھا میں نے پیش کردیا، اب میرے پاس کچھ نہیں ہے تو اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں اس انفاق کی بڑی قیمت ہے۔ یہ ہر ایک کے بس کی بات نہیں — یہ رتبۂ بلند ملا جس کو مل گیا — حضرت ابوہریرہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا گیا صدقات میں افضل صدقہ کون سا ہے؟ آپ نے فرمایا: 'جهد المقل' ''یعنی ایک کم آمدنی والا اپنی محنت مشقت سے جو کچھ حاصل کرے وہ اللہ کی راہ میں دے دے۔'' اس کے بعد فرمایا: و ابدأ بمن تعول۔[1] اس کا مطلب یہ ہے کہ ''صدقہ کا آغاز ان افراد سے کرو جن کا نان و نفقہ تم پر ضروری ہے۔'' اس لیے کہ یہ بات صحیح نہیں ہے کہ ایک تنگ دست آدمی اپنی پونجی اللہ کی راہ میں دے دے اور صبر کا دامن چھوڑ بیٹھے، یا بیوی بچوں کی ضروریات کو نظر انداز کردے، خود بھی پریشان ہو اور انہیں بھی پریشانی میں ڈال دے، لیکن اگر آدمی اپنے متعلقین کے ساتھ ایثار، قناعت اور صبر کا ثبوت دے سکتا ہو تو ایک نادار کا معمولی صدقہ اور انفاق، اللہ تعالیٰ کے ہاں اجر عظیم کا مستحق ہوگا۔

ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ایک درہم ایک لاکھ درہم پر سبقت لے گیا۔ دریافت کیا گیا کہ کس طرح سبقت لے گیا؟ فرمایا: ایک شخص کے پاس دو درہم تھے، اس نے ان میں سے ایک صدقہ کردیا۔ دوسرے کے پاس بہت سا مال تھا، اس میں سے اس نے ایک لاکھ دیے (اس کے باوجود اس نے آدھی دولت نہیں دی)۔[2]

---

[1] ابوداؤد، کتاب الزکاۃ، باب فی الرخصۃ فی ذلک۔ [2] نسائی، کتاب الزکاۃ، باب جهد المقل۔

حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مال کی مقدار کو نہیں، اس جذبہ کو دیکھتا ہے جو انفاق کے پیچھے موجود ہے۔ منافقین اللہ کے ان مخلص بندوں کو ریاکاری کا طعنہ دیتے تھے جو اس کی راہ میں آگے بڑھ بڑھ کر خرچ کرتے تھے اور جو نادار اپنی حقیر سی آمدنی پیش کرتے ان کا مذاق اڑاتے کہ اللہ کو آخر اس کی کیا ضرورت ہے اور اس کے دین کا اس سے کیا فائدہ ہونے والا ہے؟

حضرت ابو مسعود انصاریؓ کہتے ہیں کہ ہمیں صدقہ کا جب حکم دیا گیا تو ہماری حالت یہ تھی کہ معاش کے لیے پیٹھ پر بوجھ ڈھوتے تھے۔ ابو عقیل نے محنت مشقت کے بعد نصف صاع صدقہ کیا۔ ایک دوسرا شخص اس سے کچھ زیادہ لے کر حاضر ہوا۔ منافق کہنے لگے۔ اللہ اس سے بے نیاز ہے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے ان کی مذمت کی اور فرمایا:

اَلَّذِیْنَ یَلْمِزُوْنَ الْمُطَّوِّعِیْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ فِی الصَّدَقٰتِ وَالَّذِیْنَ لَا یَجِدُوْنَ اِلَّا جُهْدَهُمْ فَیَسْخَرُوْنَ مِنْهُمْ ؕ سَخِرَ اللّٰهُ مِنْهُمْ ۫ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ﴿۷۹﴾ (التوبۃ: ۷۹)

یہ منافقین ان اہل ایمان پر طعن کرتے ہیں جو خوش دلی سے خوب صدقات دیتے ہیں اور ان پر بھی جن کے پاس اپنی محنت کے سوا کچھ نہیں ہے۔ وہ ان کا مذاق اڑاتے ہیں اور اللہ ان کا مذاق اڑا رہا ہے (اس کا بدلہ لے گا) ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔

انفاق سے مال میں اضافہ

دنیا کا عام قاعدہ ہے کہ کسی بھی چیز کے صرف کرنے سے اس میں کمی واقع ہوتی ہے لیکن انفاق فی سبیل اللہ کا معاملہ برعکس ہے۔ یہاں خرچ کرنے سے مال میں خیر و برکت ہوتی اور اس میں اضافہ ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے راستے میں کوئی چیز دی جائے تو وہ اس کا بہتر بدل عطا فرماتا ہے۔

قُلْ اِنَّ رَبِّیْ یَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِہٖ وَیَقْدِرُ لَہٗ ؕ وَمَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ فَھُوَ یُخْلِفُہٗ ۚ وَھُوَ خَیْرُ الرّٰزِقِیْنَ ﴿۳۹﴾

(سبا: ۳۹)

ان سے کہو کہ میرا رب اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے رزق میں کشادگی عطا کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے کم دیتا ہے۔ جو چیز بھی تم (اللہ کی راہ میں) خرچ کروگے اللہ اس کا عوض دے گا اور وہ سب سے بہتر رزق دینے والا ہے۔

حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ صدقے اور خیرات سے کبھی مال میں کمی واقع نہیں ہوتی، بندہ عفو و درگزر سے کام لے تو اللہ تعالیٰ اس کی عزت میں اضافہ فرماتا ہے اور تواضع اختیار کرے تو اسے سربلندی عطا فرماتا ہے۔[1]

اللہ کی راہ میں خرچ کرنے والے کے حق میں اس کے فرشتے خیر و برکت اور اجر و ثواب کی دعا کرتے ہیں اور بخیل اور کنجوس کو ان کی بد دعائیں ملتی ہیں کہ اللہ اسے دنیا اور آخرت میں تباہ کردے۔

حضرت ابو ہریرہؓ ہی کی روایت ہے کہ رسول خدا ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ کے بندے جب صبح کرتے ہیں تو آسمان سے دو فرشتے نازل ہوتے ہیں۔ ان میں سے ایک کہتا ہے: اے اللہ! جو (تری راہ میں) خرچ کرے اسے اس کا بدل عطا فرما اور جو بخل کرے اور دولت روک کر رکھے اسے برباد کردے۔[2]

سود اور صدقہ ایک دوسرے کے مخالف عمل ہیں، سود میں کم زور انسانوں کا خون چوسنے کا اور صدقے میں ان کی مدد کا جذبہ کارفرما ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا معاملہ بھی ان کے ساتھ ایک دوسرے سے مختلف ہوتا ہے۔ سود کے مال سے

---

[1] مسلم، کتاب البروالصلۃ والآداب، باب استحباب العفو والتواضع۔

[2] بخاری، کتاب الزکاۃ، باب قول اللہ تعالیٰ: فامامن اعطی واتقی وصدّق بالحسنی فسنیسرہ للیسری الخ۔

خیرو برکت ختم ہوجاتی ہے۔ صدقات سے دنیا میں بہتر نتائج ظاہر ہوتے ہیں اور ان کے اجر وثواب میں مسلسل اضافہ ہوتا رہتا ہے۔ ارشاد ہے:

يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَيُرْبِي الصَّدَقٰتِ ۗ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ كَفَّارٍ اَثِيْمٍ ﴿۲۷۶﴾

اللہ تعالیٰ سود کو مٹاتا ہے اور صدقات کو بڑھاتا ہے۔ اللہ کسی ناشکرے اور گناہ گار کو پسند نہیں کرتا۔ (البقرہ: ۲۷۶)

حضرت ابوہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ آدمی اپنی پاک کمائی سے — اور اللہ تعالیٰ پاک ہی چیزوں کو پسند کرتا ہے — ایک کھجور یا اس کے برابر کوئی چیز صدقہ کرے تو اللہ تعالیٰ اسے اپنے دائیں ہاتھ میں لیتا اور قبول کرتا ہے۔ پھر اسے بڑھاتا رہتا ہے۔ بالکل اسی طرح جیسے تم میں سے کوئی شخص گھوڑے کے بچے کی پرورش کرے اور اسے پروان چڑھائے، یہاں تک کہ یہ معمولی صدقہ پہاڑ کے برابر ہوجاتا ہے (اور اللہ تعالیٰ اس کا اجر عطا کرتا ہے)۔[1]

موت سے پہلے انفاق کی ہدایت

قرآن مجید ہمیں توجہ دلاتا ہے کہ مال ہے تو اسے خرچ کرو اور اسے ذخیرۂ آخرت بناؤ، اس لیے کہ کل قیامت کے روز مال و دولت، تجارت اور کاروبار، رشتے اور تعلقات اور درخواست اور سفارش کوئی چیز کام نہیں آئے گی۔ جو مال اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ ہوگیا وہی کام آئے گا۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا بَيْعٌ

اے ایمان والو! خرچ کرو اس مال میں سے جو ہم نے تمھیں دیا ہے، اس دن کے آنے سے پہلے جس میں نہ خرید وفروخت ہوگی اور

---

[1] بخاری، کتاب الزکاۃ، باب الصدقۃ من کسب طیب۔ مسلم، کتاب الزکاۃ، باب قبول الصدقۃ من الکسب الطیب وتربیتہا

فِيۡهِ وَلَا خُلَّةٌ وَّلَا شَفَاعَةٌ ؕ وَالۡكٰفِرُوۡنَ هُمُ الظّٰلِمُوۡنَ ۝ (البقرہ: ۲۵۴)

نہ دوستی اور سفارش (کام آئے گی) اور کافر ہی اپنے اوپر ظلم کرنے والے ہیں۔

ایک اور موقع پر فرمایا کہ موت کے آنے سے پہلے اللہ کی راہ میں خرچ کرو۔ اس میں کوتاہی اور غفلت سخت ذلت و رسوائی اور عذاب کا باعث ہوگی۔ اس وقت انسان خرچ کرنا چاہے گا، لیکن اس کا موقع نہ ہوگا۔ وقت نکل چکا ہوگا اور آدمی کفِ افسوس ملتا رہ جائے گا۔

وَاَنۡفِقُوۡا مِنۡ مَّا رَزَقۡنٰكُمۡ مِّنۡ قَبۡلِ اَنۡ يَّاۡتِىَ اَحَدَكُمُ الۡمَوۡتُ فَيَقُوۡلَ رَبِّ لَوۡلَاۤ اَخَّرۡتَنِىۡۤ اِلٰۤى اَجَلٍ قَرِيۡبٍ ۙ فَاَصَّدَّقَ وَاَكُنۡ مِّنَ الصّٰلِحِيۡنَ ۝ وَلَنۡ يُّؤَخِّرَ اللّٰهُ نَفۡسًا اِذَا جَآءَ اَجَلُهَا ؕ وَاللّٰهُ خَبِيۡرٌۢ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ ۝ (المنافقون: ۱۰، ۱۱)

جو کچھ ہم نے دیا ہے اس میں سے خرچ کرو اس سے پہلے کہ تم میں سے کسی کی موت (قریب) آجائے۔ اس وقت وہ کہے کہ اے رب! مجھے تو نے تھوڑی سی مہلت کیوں نہیں دی کہ میں صدقہ و خیرات کرتا اور نیک لوگوں میں شامل ہوجاتا۔ اور اللہ کسی نفس کو ڈھیل نہیں دے گا جب اس کا وقت آن پہنچے اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس سے باخبر ہے۔

بخل کی مذمت

دنیا میں عزت و ذلت کا معیار مال ہے۔ دولت سے یہاں انسان کا وقار بلند ہوتا ہے۔ وہ قابلِ احترام سمجھا جاتا اور اس کی عزت کی جاتی ہے، خواہ وہ اللہ تعالیٰ کا مطیع و فرماں بردار ہو، یا اس کا باغی اور سرکش۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ دنیا اس عزت و ذلت سے بے خبر ہے جس کا فیصلہ کل قیامت کے روز ہونے والا ہے، جب کہ وہ سب لوگ ذلیل و خوار ہوں گے جو دولتِ دنیا پاکر اللہ تعالیٰ کو بھول گئے۔ وہاں وہ سرمایہ کام نہیں آئے گا جو جمع کیا گیا، بلکہ وہ دولت کام آئے گی جو اللہ کی راہ میں لٹا دی گئی۔ اسی لیے قرآن کہتا ہے:

وَيْلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةِ ۙ﴿۱﴾ الَّذِىْ جَمَعَ مَالًا وَّعَدَّدَهٗ ۙ﴿۲﴾ يَحْسَبُ اَنَّ مَالَهٗٓ اَخْلَدَهٗ ۚ﴿۳﴾ كَلَّا لَيُنْۢبَذَنَّ فِى الْحُطَمَةِ ۖ﴿۴﴾ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الْحُطَمَةُ ۭ﴿۵﴾ نَارُ اللّٰهِ الْمُوْقَدَةُ ۙ﴿۶﴾ الَّتِىْ تَطَّلِعُ عَلَى الْاَفْـِٕدَةِ ۭ﴿۷﴾ اِنَّهَا عَلَيْهِمْ مُّؤْصَدَةٌ ۙ﴿۸﴾ فِىْ عَمَدٍ مُّمَدَّدَةٍ ﴿۹﴾ (الہمزہ: ۱-۹)	تباہی ہے ہر عیب چیں اور طعن و تشنیع کرنے والے کے لیے، جو مال جمع کرتا اور گن گن کر رکھتا ہے۔ وہ سمجھتا ہے کہ اس کا مال اس کو ہمیشہ زندہ رکھے گا۔ ایسا ہرگز نہیں ہے۔ وہ ضرور پھینکا جائے گا 'حطمہ' (جہنم) میں۔ تم جانتے ہو کہ حطمہ کیا ہے؟ وہ اللہ تعالیٰ کی بھڑکائی ہوئی آگ ہے، جو دلوں پر چڑھتی ہے۔ وہ ان کو لمبے لمبے ستونوں کے درمیان بند کیے ہوئے ہوگی۔

انفاق جتنی بڑی خوبی ہے اتنی ہی اللہ تعالیٰ کو محبوب ہے۔ اس کے برخلاف بخل اور کنجوسی ایک مذموم صفت ہے اور اللہ تعالیٰ کو سخت ناپسند ہے۔ قرآن و حدیث میں جس طرح انفاق کی ترغیب دی گئی ہے اور اس کے اجر و ثواب کا ذکر ہوا ہے، اسی طرح بخل کی شدید مذمت اور اس سے بچنے کی تاکید کی گئی ہے۔ ایک جگہ ارشاد ہے:

اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ مُخْتَالًا فَخُوْرَا ۙ﴿۳۶﴾ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ وَيَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ وَيَكْتُمُوْنَ مَآ اٰتٰىھُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۭ وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا ۚ﴿۳۷﴾ (النساء: ۳۶، ۳۷)	بے شک اللہ ناپسند کرتا ہے ان لوگوں کو جو متکبر ہیں اور فخر کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ جو بخل کرتے اور لوگوں کو بخل کا حکم دیتے ہیں اور اللہ نے انہیں اپنے فضل سے جو دیا ہے اسے چھپاتے ہیں۔ ہم نے ایسے ناشکروں کے لیے رسوا کن عذاب تیار کیا ہے۔

دولت ہوتی ہی اس لیے ہے کہ جب اور جہاں ضرورت پڑے خرچ کی جائے۔ بخل کا مطلب یہ ہے کہ آدمی استطاعت کے باوجود جس وقت خرچ کرنا

چاہیے خرچ نہ کرے، یا خرچ کرے تو حسب ضرورت خرچ نہ کرے۔ بخل ایک ایسی خرابی ہے کہ اس کی وجہ سے سماجی اور معاشرتی تعلقات میں بگاڑ آجاتا ہے اور قریب ترین افراد کے درمیان بھی دشمنی اور نفرت پیدا ہوجاتی ہے۔ اخوت و محبت اور ہم دردی کی فضا اسی معاشرہ میں ہوگی اور اسی میں باہم تعلقات خوش گوار ہوں گے جس کے افراد بڑے دل والے اور وقت ضرورت کھل کر خرچ کرنے والے ہوں۔

بخل کے ساتھ آدمی اس کی تعلیم و تلقین بھی کرنے لگے تو اس کی قباحت اور بڑھ جاتی ہے۔ اسے اخلاقی پستی کی آخری حد کہا جاسکتا ہے۔ یہاں ان ہی لوگوں کا ذکر ہے جو خود بخل کے مرض میں مبتلا ہیں اور دوسروں میں یہ بیماری پھیلاتے پھرتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ برملا بخل اور کنجوسی کی تبلیغ اور تلقین کرتے ہیں۔ یہ انسانی فطرت کے خلاف ہے کہ بدی کی علانیہ تبلیغ ہو، بلکہ ان کا پورا رویہ ایسا ہوتا ہے کہ اسے دیکھ کر کسی کے اندر انفاق، خدمت اور تعاون کا جذبہ نہیں ابھرتا۔ کسی کے اندر یہ جذبہ دیکھتے ہیں تو اسے ابھارنے اور تقویت دینے کی جگہ دبانے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس کے لیے کبھی ذاتی ضرورتوں اور کاروباری تقاضوں کا حوالہ دیا جاتا ہے، کبھی مستقبل کے خطرات سامنے لائے جاتے ہیں، کبھی طلب کرنے والوں کی نااہلی کا اس طرح ذکر کیا جاتا ہے کہ آدمی حکمت اور مصلحت کا تقاضا یہی سمجھتا ہے کہ نااہلوں پر اپنا روپیہ پیسہ ضائع کرنے کی جگہ اسے اپنے مفاد ہی کے لیے استعمال کرے۔

بات کا آغاز اس طرح کیا گیا "بے شک اللہ تعالیٰ اس شخص کو پسند نہیں کرتا جو مغرور ہے اور شیخی بگھارتا ہے" اس کے لیے 'مختال' اور 'فخور' کے الفاظ آئے ہیں۔ یہ ہم معنی الفاظ ہیں، لیکن ان میں تھوڑا سا فرق بھی ہے۔ مختال وہ ہے جس کی حرکت و عمل سے تکبر اور نخوت ٹپکتا ہو۔ فخور اس شخص کو کہا جاتا ہے جو خودستائی

کرے اور ڈینگ مارے۔ مطلب یہ کہ اللہ تعالیٰ کو وہ لوگ سخت ناپسند ہیں جو اپنے آپ کو بڑا سمجھتے ہیں اور قول و عمل سے بڑائی کا مظاہرہ کرتے پھرتے ہیں۔ کل قیامت کے روز ان کی ساری شیخی ختم ہوجائے گی اور انہیں ذلت و رسوائی کا سامنا کرنا پڑے گا اور وہ چھوٹے بن کر رہیں گے۔ سورۂ حدید میں یہ مضمون ان الفاظ میں بیان ہوا ہے:

وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍۙ ﴿۲۳﴾ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ وَيَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ ؕ وَمَنْ يَّتَوَلَّ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ ﴿۲۴﴾

(الحدید: ۲۳، ۲۴)

اور اللہ ناپسند کرتا ہے ہر اس شخص کو جو اتراتا اور فخر کا مظاہرہ کرتا ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو بخل کرتے اور لوگوں کو بخل کا حکم دیتے ہیں۔ جو کوئی اللہ کی ہدایت سے منہ موڑے (اسے معلوم ہونا چاہیے) کہ اللہ بے نیاز اور ستودہ صفات ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ تکبر انسان کو اللہ تعالیٰ کی عبادت اور بندوں کی خدمت دونوں ہی سے باز رکھتا ہے۔ حالاں کہ ان ہی دونوں اوصاف کی وجہ سے انسان کی انسانیت قائم ہے۔ ورنہ اس کا مقام جانور سے بھی پست تر ہوجاتا ہے۔

بخل کا انجام بد

انسان سانپ کی طرح مال کی حفاظت کرتا ہے اور اسے ایک مضبوط سہارا سمجھتا ہے۔ ایسا سہارا جو مشکل میں اس کے کام آئے گا۔ حالانکہ قیامت کے روز جب کہ سب سے زیادہ سہارے کی ضرورت ہوگی، اس کا اندوختہ کچھ بھی اس کے لیے مفید نہ ثابت ہوگا، بلکہ یہ 'محفوظ سرمایہ' اس کے حق میں عذاب بن جائے گا۔

وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۙ فَبَشِّرْهُمْ

جو لوگ سونا اور چاندی جمع کرتے ہیں اور اسے اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے ان کو دردناک

بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۙ﴿۳۴﴾ يَّوْمَ يُحْمٰى عَلَيْهَا فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوٰى بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوْبُهُمْ وَظُهُوْرُهُمْ ؕ هٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ فَذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُوْنَ ﴿۳۵﴾

(التوبۃ: ۳۴، ۳۵)

عذاب کی خوش خبری دے دو۔ ایک دن آئے گا جب کہ اسی سونے اور چاندی کو دوزخ کی آگ میں تپایا جائے گا اور اس سے ان کی پیشانیوں، پہلوؤں اور پیٹھوں کو داغا جائے گا اور کہا جائے گا یہ ہے وہ خزانہ جو تم نے اپنے لیے جمع کیا تھا۔ پس مزا چکھو اس دولت کا جسے تم جمع کر رہے تھے۔

اس آیت کی تشریح حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے ہوتی ہے۔ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص سونے اور چاندی کا مالک ہے اور اس کا حق ادا نہیں کر رہا ہے، قیامت کے روز اس کے مال کی تختیاں بنائی جائیں گی، ان کو جہنم کی آگ میں تپایا جائے گا اور ان سے اس کے بازوؤں کو، اس کی پیشانی اور اس کی پیٹھ کو داغا جائے گا۔ جب وہ ٹھنڈی ہونے لگیں گی تو وہ جہنم میں پھر گرم کی جائیں گی اور داغ دیے جائیں گے (اس طرح یہ سلسلہ جاری رہے گا)[1]

بخل ایک انتہائی غلط، غیر شریفانہ اور غیر اخلاقی رویہ ہے، لیکن بخیل اسے زیرکی اور دانائی اور اپنے حق میں بہتر اور خوش آئند تصور کرتا ہے۔ کل قیامت کے روز اس کا یہ سارا اندوختہ اس کے گلے کا طوق بن جائے گا۔ اسے اتار پھینکنے اور اس سے نجات پانے کی کوئی صورت نہ ہوگی۔ قرآن مجید نے اس انجام بد سے ان الفاظ میں آگاہ کیا ہے:

وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ بِمَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ هُوَ خَيْرًا لَّهُمْ ؕ بَلْ هُوَ شَرٌّ لَّهُمْ ؕ سَيُطَوَّقُوْنَ مَا بَخِلُوْا بِهٖ يَوْمَ

جو لوگ بخل کرتے ہیں اس مال میں جو اللہ نے ان کو اپنے فضل سے دیا ہے وہ ہرگز اسے اپنے حق میں بہتر نہ سمجھیں، بلکہ یہ ان کے لیے بہت برا ہے۔ عن قریب وہ مال جسے انہوں

[1] مسلم، کتاب الزکاۃ، باب إثم مانع الزکاۃ۔

الْقِیٰمَةِ ؕ وَ لِلّٰهِ مِیْرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ وَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرٌ ﴿۱۸۰﴾

(آل عمران: ۱۸۰)

نے بخل کر کے جمع کیا، قیامت کے روز طوق بنا کر (ان کے گلے میں) ڈالا جائے گا۔ آسمانوں اور زمین کی میراث اللہ ہی کی ہے۔ جو کچھ تم کرتے ہو اس سے اللہ باخبر ہے۔

اس کی تشریح بخاری کی ایک حدیث میں ہمیں ملتی ہے۔ حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ جس کسی کو مال دے اور وہ اس کی زکوٰۃ ادا نہ کرے تو اس کے مال کو ایک ایسے گنجے سانپ کی شکل دی جائے گی، جس کے سر پر دو سیاہ دھبے یا نشان ہوں گے (یہ دونوں باتیں اس کے سخت زہریلے ہونے کی علامت ہیں)۔ وہ قیامت کے روز اس کے گلے کا ہار بن جائے گا، اسے اپنے جبڑوں سے پکڑ لے گا اور کہے گا، میں تیرا مال ہوں، میں تیرا خزانہ ہوں۔ پھر آپ نے اوپر کی آیت تلاوت فرمائی[1]

بخل نفاق کی علامت

جس طرح نماز سے غفلت اور بے توجہی نفاق کی علامت ہے اسی طرح زکوٰۃ اور انفاق فی سبیل اللہ سے جی چرانا بھی نفاق کی خاص پہچان ہے۔ چنان چہ منافقین کا ایک کردار یہ بیان ہوا ہے کہ وہ خوش دلی اور انبساطِ قلب کے ساتھ نماز ادا کرتے ہیں اور نہ اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں۔ مروت میں یا معاشرہ کے دباؤ کے تحت کبھی کچھ دینا بھی پڑتا ہے تو انہیں سخت انقباض اور ناگواری ہوتی ہے۔ جیسے کوئی تاوان ادا کر رہے ہوں، یا اللہ اور اس کے رسول پر احسان کر رہے ہوں۔ البتہ دعویٰ یہی ہوگا کہ وہ خوش دلی سے اور خدمتِ دین کے جذبہ سے خرچ کر رہے ہیں۔ ان سے صاف کہہ دیا گیا کہ اللہ اور اس کے رسول کو تمہارے صدقات کی کوئی

---

[1] بخاری، کتاب التفسیر، باب ولایحسبنّ الذین یبخلون بما آتاھم اللّٰہ۔

ضرورت نہیں ہے۔ تمہاری ہم دردیاں اہل کفر کے ساتھ ہیں، تمہارا حشر ان ہی کے ساتھ ہوگا۔ ان کے اس کردار اور اس پر اللہ اور اس کے رسول کی ناگواری کا ذکر ان الفاظ میں ہوا ہے:

قُلْ اَنْفِقُوْا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا لَّنْ يُّتَقَبَّلَ مِنْكُمْ ۭ اِنَّكُمْ كُنْتُمْ قَوْمًا فٰسِقِيْنَ ﴿۵۳﴾ وَمَا مَنَعَهُمْ اَنْ تُقْبَلَ مِنْهُمْ نَفَقٰتُهُمْ اِلَّآ اَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَبِرَسُوْلِهٖ وَلَا يَاْتُوْنَ الصَّلٰوةَ اِلَّا وَهُمْ كُسَالٰى وَلَا يُنْفِقُوْنَ اِلَّا وَهُمْ كٰرِهُوْنَ ﴿۵۴﴾

(التوبۃ: ۵۳، ۵۴)

تم خوش دلی سے خرچ کرو، یا ناخوشی سے، اللہ کے ہاں تمہارے صدقات ہرگز قبول نہیں ہوں گے (اس لیے کہ) بے شک تم نافرمان لوگ ہو۔ ان کے نفقات اسی وجہ سے قبول نہیں ہوئے کہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول سے کفر کیا۔ وہ نماز کو آتے ہیں تو انتہائی سستی اور بے دلی سے اور انفاق کرتے ہیں تو بڑی ناگواری کے ساتھ۔

اس کے بعد سخت الفاظ میں ان پر غیظ وغضب کا اظہار ہوا ہے:

وَلَا تُعْجِبْكَ اَمْوَالُهُمْ وَاَوْلَادُهُمْ ۭ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّعَذِّبَهُمْ بِهَا فِي الدُّنْيَا وَتَزْهَقَ اَنْفُسُهُمْ وَهُمْ كٰفِرُوْنَ ﴿۸۵﴾

(التوبۃ: ۸۵)

تمہیں ان کے اموال اور ان کی اولاد تعجب میں نہ ڈالے۔ اللہ تو بس یہ چاہتا ہے کہ دنیا کی زندگی میں ان چیزوں کے ذریعہ سے انہیں عذاب میں رکھے اور ان کی جان کفر ہی کی حالت میں نکلے۔

منافقین کہا کرتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ اور آپ کے وہ صحابہ جو ہجرت کرکے مدینہ آئے ہیں، ہماری زمین اور جائداد اور ہمارے پیسے کی وجہ سے یہاں جمے ہوئے ہیں۔ اگر ہم اپنا دستِ تعاون کھینچ لیں تو ان کے قدم اکھڑ جائیں اور وہ بھاگ کھڑے ہوں۔ یہ نادان اس حقیقت کو سمجھ ہی نہیں پا رہے تھے کہ دولت کے خزانے ان کے ہاتھ میں نہیں اللہ کے ہاتھ میں ہیں۔ وہ اپنے رسول اور اہل ایمان کی مدد ہزار طریقوں سے کرسکتا ہے۔

هُمُ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ لَا تُنْفِقُوْا عَلٰى مَنْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ حَتّٰى يَنْفَضُّوْا ؕ وَلِلّٰهِ خَزَآئِنُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَفْقَهُوْنَ ۝ (المنافقون: ۷)	وہی ہیں جو کہتے ہیں کہ رسول اللہ (ﷺ) کے پاس جو لوگ ہیں ان پر خرچ نہ کرو یہاں تک کہ وہ منتشر ہوجائیں۔ (حالاں کہ) اللہ ہی کے ہیں آسمان اور زمین کے خزانے، لیکن منافق سمجھتے نہیں ہیں۔

منافق یہ بھول جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی کے دھن دولت اور مال و زر کا محتاج نہیں ہے، وہ بڑا غنی اور بے نیاز ہے۔ اگر کوئی شخص اس کے دین کے لیے خرچ کرتا ہے، تو اپنے ہی فائدے کے لیے کرتا ہے۔ ہاتھ روک کر بخل اور کنجوسی کا مظاہرہ کر کے کسی دوسرے کا نہیں اپنا ہی نقصان کرتا ہے، اپنے جذبۂ ایمان اور اپنے اعلیٰ کردار کو مجروح کرتا ہے، دین سے اپنے تعلق اور وابستگی کو کم زور کرتا اور آخرت کے اجرِ عظیم سے محروم ہوتا ہے۔ قرآن نے اعلان کیا کہ تمھیں اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کی دعوت دی جا رہی ہے۔ یاد رکھو! اگر کوئی قوم اس آواز پر لبیک نہ کہے، اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت سے روگردانی کرے اور دین کے مطالبات پورے کرنے سے گریز کرے اور اسے اس کی سربلندی کی فکر نہ ہو تو اللہ تعالیٰ بھی اس سے بے نیاز ہے۔ اسے اس کی ضرورت نہیں ہے۔ وہ اپنے دین کی خدمت اور سربلندی کے لیے کسی دوسری قوم کو کھڑا کر دے گا۔ وہ اس کے علَم کو لے کر آگے بڑھے گی اور اس کے ہاتھوں دین غالب ہوگا۔

هٰٓاَنْتُمْ هٰٓؤُلَآءِ تُدْعَوْنَ لِتُنْفِقُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ فَمِنْكُمْ مَّنْ يَّبْخَلُ ۚ وَمَنْ يَّبْخَلْ فَاِنَّمَا يَبْخَلُ عَنْ نَّفْسِهٖ ؕ وَاللّٰهُ الْغَنِيُّ وَاَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ ۚ وَاِنْ تَتَوَلَّوْا	ہاں! تم دیکھو کہ تمھیں بلایا جارہا ہے کہ اللہ کے راستہ میں خرچ کرو۔ اس پر تم میں سے کچھ لوگ بخل کر رہے ہیں۔ جو بخل کرتا ہے وہ اپنے آپ ہی سے بخل کرتا ہے۔ اور (جان لو)

يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ثُمَّ لَا يَكُوْنُوْٓا اَمْثَالَكُمْ ﴿۳۸﴾

(محمد: ۳۸)

اللہ بے نیاز ہے، محتاج تو تم ہو۔ اگر تم روگردانی کروگے تو اللہ تعالیٰ تمہاری جگہ دوسری قوم لے آئے گا اور وہ تمہاری طرح نہ ہوں گے۔

تنگ دستی اور خوش حالی میں کردار کا تضاد

بعض اوقات آدمی اپنی غربت اور ناداری کا عذر کرتا ہے اور زبان سے اس جذبہ کا اظہار کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ مال و دولت دے تو اسے وہ اس کی راہ میں صرف کرے گا۔ وہ اللہ تعالیٰ سے اس کا عہد و پیمان بھی کرتا ہے۔ لیکن جب اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے نواز کر امتحان لیتا ہے تو وہ ناکام ہوجاتا ہے۔ دولت پاتے ہی اس کی نیت بدل جاتی ہے، انفاق کے لیے ہاتھ نہیں بڑھتا، بلکہ اللہ تعالیٰ سے کیا ہوا عہد و پیمان بھی یاد نہیں رہتا۔ یہ عہد شکنی اسے نفاق کی راہ پر ڈال دیتی ہے۔

وَمِنْهُمْ مَّنْ عٰهَدَ اللّٰهَ لَئِنْ اٰتٰىنَا مِنْ فَضْلِهٖ لَنَصَّدَّقَنَّ وَلَنَكُوْنَنَّ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۷۵﴾ فَلَمَّآ اٰتٰىهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ بَخِلُوْا بِهٖ وَتَوَلَّوْا وَّهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۷۶﴾ فَاَعْقَبَهُمْ نِفَاقًا فِيْ قُلُوْبِهِمْ اِلٰى يَوْمِ يَلْقَوْنَهٗ بِمَآ اَخْلَفُوا اللّٰهَ مَا وَعَدُوْهُ وَبِمَا كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ ﴿۷۷﴾

(التوبۃ: ۷۵-۷۷)

ان میں سے بعض وہ ہیں جنہوں نے اللہ سے عہد کیا تھا کہ اگر اللہ ہمیں اپنے فضل سے نوازے تو ہم ضرور صدقہ و خیرات کریں گے اور نیک اور صالح لوگوں میں شامل ہوجائیں گے۔ لیکن جب اللہ نے اپنے فضل سے مال و دولت عطا کیا تو بخل کرنے لگے، منھ موڑ نے اور اعراض کرنے لگے، اللہ نے اس کی وجہ سے ان کے دلوں میں اس دن (قیامت) تک کے لیے نفاق ڈال دیا جس دن کہ وہ اس سے ملیں گے۔ یہ نتیجہ تھا اللہ سے انہوں نے جو وعدہ کیا تھا اس کی خلاف ورزی کا اور یہ نتیجہ تھا جھوٹ کا جو وہ بول رہے تھے۔

بخل اور خستِ نفس سے سینہ کا پاک ہونا اور کھلے دل سے اللہ کی راہ میں خرچ کرنا ایمان کا لازمی تقاضا ہے۔ یہ باعثِ خیر و فلاح اور کام یابی کا بہت بڑا ذریعہ ہے۔ قرآن مجید تقویٰ، پرہیزگاری اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کے ساتھ اس کا ذکر کرتا ہے:

فَاتَّقُوا اللّٰہَ مَا اسْتَطَعْتُمْ وَاسْمَعُوْا وَاَطِیْعُوْا وَ اَنْفِقُوْا خَیْرًا لِّاَنْفُسِکُمْ ؕ وَمَنْ یُّوْقَ شُحَّ نَفْسِہٖ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۱۶﴾ (التغابن: ۱۶)

پس اللہ سے ڈرو جہاں تک تمہاری استطاعت میں ہے۔ اور (اللہ اور رسول کی بات) سنو اور اطاعت کرو اور خرچ کرو، یہ تمہارے حق میں بہتر ہے۔ جس کسی کو نفس کے لالچ سے بچا لیا گیا تو ایسے ہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔

کام یابی ان خوش بخت انسانوں کے انتظار میں ہے جو اللہ تعالیٰ کا دیا ہوا مال اس کی راہ میں خرچ کرتے ہیں۔ افسوس ہے ان بدنصیبوں پر جو مال کی محبت میں کامیابی کے دروازے اپنے اوپر بند کرلیں۔ قرآن مجید نے منافقین کے ذکر میں کہا:

وَمَاذَا عَلَیْھِمْ لَوْ اٰمَنُوْا بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَاَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقَھُمُ اللّٰہُ ؕ وَکَانَ اللّٰہُ بِھِمْ عَلِیْمًا ﴿۳۹﴾ (النساء: ۳۹)

انہیں کیا ہوجاتا اگر وہ اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان لاتے اور اللہ نے انہیں جو دیا ہے اس میں سے کچھ خرچ کرتے۔ اللہ تعالیٰ انہیں خوب جانتا ہے۔

انفاق فی سبیل اللہ ایمان کی دلیل ہے۔ یہ اس بات کی علامت ہے کہ دل میں مال کی محبت کی جگہ اللہ اور اس کے رسول کی محبت جاگزیں ہے اور دنیا کی راحت و آسائش کی جگہ آخرت کی فلاح آدمی کے پیش نظر ہے۔ وسعت کے باوجود اللہ کی راہ میں خرچ نہ کرنے سے ایمان کی کم زوری ظاہر ہوتی ہے، جو آدمی کو نفاق تک لے جاتی ہے۔ نفاق انسان کو روز قیامت اللہ تعالیٰ کی توجہ اور عنایت سے محروم کرسکتا ہے۔

دعوتِ دین اور انفاق فی سبیل اللہ

انفاق فی سبیل اللہ دین کی ایک اہم بنیاد ہے۔ اس کے بغیر دین کا تصور مشکل ہی سے کیا جاسکتا ہے۔ اس کے ساتھ دین کی دعوت و تبلیغ اور اس کی سربلندی کے لیے بھی اس کی بڑی اہمیت ہے۔ یہاں اس کے بعض خاص پہلوؤں پر روشنی ڈالنے کی کوشش کی جارہی ہے۔

انسانوں کی خدمت اور خیر خواہی

دعوت دین انسانوں کے ساتھ خیرخواہی کا عمل ہے۔ اس خیرخواہی کا لازمی تقاضا ہے کہ ہر اس فردِ بشر کا تعاون کیا جائے جو اس کا مستحق ہے اور جس کی مدد کی جاسکتی اس کی ضرور مدد کی جائے۔ دعوتِ دین درحقیقت انسانوں کو آخرت کے عذاب سے بچانے کی کوشش ہے۔ جو شخص اتنی عظیم خدمت کے لیے اٹھے وہ نوعِ انسانی کا بہت بڑا خیرخواہ ہے۔ اگر وہ اپنے اس کام میں مخلص ہے تو فطری طور پر اس دنیا میں بھی ان کا غم خوار ہوگا اور ان کے دکھ درد میں کام آئے گا۔ جو آدمی انسانوں کو کل کے عذاب سے بچانے کے لیے بے چین ہے ناممکن ہے کہ وہ آج ان کی تکلیف پر بے چینی اور اضطراب نہ محسوس کرے اور انہیں اس سے نکالنے کی اپنی سی جدو جہد نہ کرے۔

اگر داعی کے اندر انسانوں کی تکلیف پر جذبۂ رحم نہیں ابھرتا تو اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ اپنی دعوت میں مخلص نہیں ہے، اگر وہ دنیا والوں کے سامنے ان کے خیرخواہ کی حیثیت سے آئے گا تو اپنا ایک فرض ادا کرے گا اور اس کی باتوں میں ایک طرح کی مقناطیسیت اور کشش پیدا ہوجائے گی۔ اس کی دعوت کو لوگ توجہ سے سنیں گے اور اس کی طرف مائل ہوں گے۔ اس طرح انفاق کے ذریعہ داعی اپنا فرض بھی پورا کرے گا اور اس دعوت کے لیے بھی راہ ہموار کرے گا جس کا وہ علم بردار ہے۔

ہم سفر رفیقوں کے ساتھ ہمدردی

داعی دین کے لیے ان افراد کا خیال رکھنا بھی ضروری ہے جو اس کے ساتھ مل کر دعوتی کام میں ایک جماعت بن گئے ہیں۔ ان میں نادار اور مفلس بھی ہوں گے، کم زور اور بے سہارا بھی ہوں گے اور ایسے بھی ہوں گے جو وسائل کے محتاج ہیں۔ جماعت کے استحکام کے لیے ضروری ہے کہ اس کے اصحابِ ثروت ان لوگوں کا تعاون کریں، جنھیں اس کی ضرورت ہے، جو اپنی خستہ حالی کی وجہ سے جماعت کی رفتار کا ساتھ نہیں دے پا رہے ہیں۔ جماعت کے اندر جو اصحابِ حیثیت ہیں اور جن کو اللہ تعالیٰ نے مالی وسائل عطا کیے ہیں انہیں یہ حقیقت نہیں بھولنی چاہیے کہ ان کا تعلق دین کی خدمت کرنے والی جماعت سے ہے۔ اس کے افراد کے مابین الفت و محبت کا وہ رشتہ ہونا چاہیے جو بھائیوں کے درمیان ہوتا ہے۔ انہیں اپنے ہم سفر رفقا کے دکھ درد میں اس طرح شریک ہونا چاہیے جس طرح خاندان کے افراد ایک دوسرے کے رنج و راحت میں شریک ہوتے ہیں۔ جو شخص اس حال میں زندگی گزارے کہ اس کو اپنے ساتھیوں کی تکلیف اور راحت کا خیال نہ ہو تو اس کے بارے میں یہی کہا جائے گا کہ اس کے اندر اجتماعیت کا احساس ابھی نہیں ابھرا ہے۔

داعیانِ دین کا تعاون

اسی طرح ان لوگوں کا معاملہ بھی ہے جو دین کی دعوت اور اس کی خدمت میں لگے ہوئے ہیں۔ ان کے اوقات اس کے لیے فارغ ہیں، اس وجہ سے وہ اپنی معاش کی طرف توجہ نہیں کر پاتے۔ ان کے وسائل و ذرائع ایسے نہیں ہیں جو انہیں معاش سے بے فکر کر دیں۔ وہ کسی کے سامنے ہاتھ نہیں پھیلا سکتے کہ یہ ان کی خودداری اور عزتِ نفس کے خلاف ہے۔ کارِ دعوت کو جاری رکھنے کے لیے ضروری ہے کہ اصحاب ثروت ان کی ضروریات کی فکر کریں، انہیں یکسوئی فراہم کریں۔ جب میدان کارزار گرم ہو تو کچھ لوگ میدان جنگ میں اپنی جان لڑاتے ہیں۔ زیادہ تر وہ ہوتے ہیں جو محاذ جنگ پر نہیں ہوتے، لیکن ان کا تعاون جاں بازوں کو حاصل ہو تو ان کی ہمت اور حوصلہ بڑھتا ہے اور وہ پورے جوش کے ساتھ پیش قدمی جاری رکھ سکتے ہیں۔ اس کے بغیر فتح و کام رانی سے ان کا ہم کنار ہونا مشکل ہے۔ حدیث میں آتا ہے کہ اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے اور ان کا تعاون کرنے والے اجر وثواب میں برابر کے شریک ہوں گے:

حضرت زید بن خالدؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس نے کسی مجاہد کو ساز و سامان سے لیس کیا اس نے بھی جہاد کیا۔ جس نے کسی مجاہد کی عدم موجودگی میں اس کی بیوی بچوں کی نگہداشت کی اور ان کی ضروریات پوری کیں تو اس نے بھی جہاد کیا۔[1]

حضرت ابو سعید خدریؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ہذیل کی شاخ بنولحیان کی طرف ایک لشکر روانہ کیا۔ اس کے لیے آپؐ نے فرمایا کہ

---

[1] بخاری، کتاب الجهاد، باب فضل من جهّز غازیا أو خلفه بخیر۔ مسلم، کتاب الامارة، باب فضل إعانة الغازی فی سبیل اللّٰہ بمرکوب وغیرہ، وخلافته فی أهله بخیر۔

ہر (گھر کے) دو افراد میں سے ایک فرد محاذ پر جانے کے لیے تیار ہو جائے۔ اجر دونوں کے درمیان تقسیم ہوگا۔[1]

یعنی جو شخص محاذ پر جائے اور جو گھر پر رہے اور اپنے گھر والوں کی اور محاذ پر جانے والے ساتھی کے متعلقین کی دیکھ بھال اور ان کی ضروریات پوری کرے تو اللہ تعالیٰ کے یہاں دونوں مساوی اجر و ثواب کے مستحق ہوں گے۔ وہ دونوں کو یکساں نوازے گا۔

حضرت ابو امامہؓ کی حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص نہ تو خود جہاد کرے اور نہ کسی مجاہد کو ساز و سامان فراہم کرے اور نہ کسی مجاہد کے گھر والوں کی دیکھ بھال کرے تو اللہ تعالیٰ قیامت سے پہلے اسی دنیا میں اسے اچانک کسی مصیبت میں گرفتار کر لے گا۔[2]

جہاد کا مفہوم بڑا وسیع ہے۔ اس میں دین کی دعوت و تبلیغ بھی آتی ہے، بلکہ سب سے پہلے آتی ہے۔ اسی سے دین کی سربلندی کی راہیں کھلتی ہیں۔ جو لوگ دین کی دعوت اور اس کی خدمت میں لگے ہوئے ہیں وہ بہت بڑی مہم سر انجام دے رہے ہیں۔ ان کا تعاون کرنے والے بھی عملاً اس میں شریک ہیں۔ وہ عملاً سامنے نہیں ہیں، لیکن ان کی پشت پناہی اور حمایت داعیانِ دین کو حاصل ہے۔ اس لیے امید ہے کہ اللہ کے یہاں اجر و ثواب میں وہ بھی شریک و سہیم ہوں گے۔

دین کے لیے قیمتی مال کی قربانی

جو شخص اللہ کے دین کے لیے اپنا پیسہ صرف کرتا ہے وہ اس بات کا

---

[1] مسلم، کتاب الامارۃ، باب فضل اعانۃ الغازی فی سبیل اللہ بمرکوب وغیرہ، وخلافتہ فی اہلہ بخیر۔

[2] ابوداؤد، کتاب الجہاد، باب کراہیۃ ترک الغزو۔ ابن ماجہ، کتاب الجہاد، باب التغلیظ فی ترکہ۔

ثبوت فراہم کرتا ہے کہ اسے مال و دولت سے زیادہ اللہ کا دین عزیز ہے۔ اس کے برعکس اللہ کا دین انسان سے پیسہ مانگے اور وہ اپنا ہاتھ روک لے، تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کے نزدیک روپے پیسے کی قیمت اللہ کے دین سے زیادہ ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کے دین کا نقصان گوارا کرسکتا ہے، لیکن اپنی دولت میں کمی برداشت نہیں کرسکتا۔ قرآن مجید کہتا ہے کہ نیکی اور تقویٰ کے مقامِ بلند تک انسان کی رسائی اسی وقت ہوگی جب اس کے قیمتی مال میں اللہ کے دین کا حصہ ہو:

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ ؕ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَيْءٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ ﴿۹۲﴾

تم ہرگز نیکی کو نہیں پہنچ سکتے جب تک کہ اللہ کی راہ میں ان چیزوں میں سے خرچ نہ کرو جن کو تم پسند کرتے ہو۔ اور جو کچھ بھی تم خرچ کروگے اللہ تعالیٰ کو اس کا علم ہے۔ (آل عمران:۹۲)

حضرت ابوطلحہ انصاریؓ کو اپنے کھجور کے باغات میں ایک باغ سب سے زیادہ پسند تھا۔ اس کا نام بیرحاء تھا۔ یہ مسجد نبوی کے بالکل سامنے تھا۔ رسول اکرم ﷺ اس میں کبھی کبھی تشریف لے جاتے اور اس کا ٹھنڈا اور میٹھا پانی نوش فرماتے۔ اس آیت کے نازل ہونے کے بعد حضرت ابوطلحہؓ نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ میرے اموال میں یہ باغ مجھے سب سے زیادہ پسند ہے۔ میں اسے اللہ کی راہ میں صدقہ کرنا چاہتا ہوں۔ اسی سے اس کے اجر وثواب کی توقع ہے۔ آپ اسے اللہ کے حکم کے مطابق جس طرح چاہیں استعمال فرمائیں۔ آپ نے ان کے اس جذبے کی ستائش کی اور کہا بہت خوب! بہت خوب! میری رائے یہ ہے کہ تم اسے اپنے رشتہ داروں میں تقسیم کردو (غالباً وہ ضرورت مند رہے ہوں گے) چنانچہ انہوں نے اپنا یہ قیمتی باغ رشتہ داروں میں تقسیم کردیا۔[1]

---

[1] بخاری، کتاب الزکاۃ، باب الزکاۃ علی الأقارب۔ مسلم، کتاب الزکاۃ، باب فضل النفقۃ والصدقۃ علی الاقربین والزوج والاولاد والوالدین، ولوکانوا مشرکین۔

انصارِ مدینہ کا نمونہ

انصار مدینہ نے دین کی دعوت، اس کے استحکام اوراس کی سربلندی کے لیے جس ایثار وقربانی کا ثبوت دیا وہ اپنی مثال آپ ہے۔ تاریخ اسے فراموش نہیں کرسکتی۔ انہوں نے مہاجرین کے لیے اپنے شہر کے دروازے کھول دیے، انہیں اپنے لیے بوجھ نہیں سمجھا، بلکہ ہر طرح کی سہولتیں بہم پہنچائیں۔ رسول اللہ ﷺ سے درخواست کی کہ ہمارے پاس جونخلستان ہیں انہیں آپ ہمارے اور ان کے درمیان تقسیم کردیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، اس کی ضرورت نہیں ہے۔ مہاجرین بھی اس کے لیے آمادہ نہ ہوئے، تو گزارش کرنے لگے کہ ہمارے مہاجر بھائی ان باغات کی نگہداشت اور دیکھ بھال میں ہمارے ساتھ تعاون کریں اور پیداوار میں شریک ہوجائیں۔ مہاجرین اس کے لیے تیار ہوگئے، لیکن عملاً وہ خود محنت مشقت کرتے۔ مہاجرین کو کوئی زحمت نہ دیتے اور کھجور کی پیداوار میں انہیں برابر کا شریک تصور کرتے تھے۔ مہاجرین نے رسول اللہ ﷺ سے ان کے اس اخلاق کریمانہ کا ذکر کیا اور کہا سارا ثواب یہ لوٹ رہے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا: انصار کے حق میں دعا کرو، تم بھی اجر میں شریک رہوگے۔ اس کی بھی مثالیں ملتی ہیں کہ کسی مہاجر ساتھی کو تجرد کی زندگی گزارتے دیکھا تو انصاری رفیق نے کہا کہ میں اپنی دو بیویوں میں سے ایک کو طلاق دے سکتا ہوں، اگر تم اس سے عقد کرنا چاہو تو عقد کرسکتے ہو۔ لیکن مہاجر ساتھی نے انہیں اس سے باز رکھا۔ قرآن مجید نے اموالِ فئی کے متعلق فرمایا کہ اس میں مہاجرین کے ساتھ انصار کا بھی حصہ ہے۔ لیکن انہوں نے مہاجرین کی ضروریات کو اپنی ضروریات پر مقدم رکھا۔ انہوں نے ایثار وقربانی اور دوسروں کو ترجیح دینے کی جو اعلیٰ مثال پیش کی، قرآن نے اس کی ستائش کی۔ اس ضمن میں ان کے کردار کا ذکر ہے:

وَالَّذِيْنَ تَبَوَّؤُ الدَّارَ وَالْاِيْمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ يُحِبُّوْنَ مَنْ هَاجَرَ اِلَيْهِمْ وَلَا يَجِدُوْنَ فِيْ صُدُوْرِهِمْ حَاجَةً مِّمَّآ اُوْتُوْا وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۹

(الحشر: ۹)

وہ لوگ جو دار الاسلام (مدینہ) میں مہاجرین کے آنے سے پہلے ہی سے ایمان لا کر رہ رہے ہیں، ان کا حال یہ ہے کہ ان کے پاس جو لوگ ہجرت کر کے آئے ان سے وہ محبت کرتے ہیں اور جو کچھ ان کو دیا گیا اس پر اپنے دلوں میں تنگی نہیں محسوس کرتے اور مہاجرین کو اپنے اوپر ترجیح دیتے ہیں چاہے انہیں فاقہ ہی کیوں نہ کرنا پڑے۔ جو لوگ دل کی تنگی سے بچا لیے گئے وہی فلاح پانے والے ہیں۔

یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ اللہ تعالیٰ کے دین کی حمایت و نصرت، اس کے لیے ایثار و قربانی اور انفاق سے فلاح آخرت کی راہ کھل جاتی ہے۔

دعوت کی مالی ضروریات کی تکمیل

یہ دنیا اسباب و وسائل کی دنیا ہے۔ بغیر اسباب کے یہاں کوئی مقصد حاصل نہیں ہوتا۔ جو شخص اللہ تعالیٰ کے دین کی دعوت لے کر اٹھے اور اسے کامیاب بھی دیکھنا چاہے تو اس کے لیے اسے ضروری اسباب و وسائل بھی اختیار کرنے ہوں گے۔ ان میں بہت سے وہ وسائل بھی ہوں گے جن کا تعلق روپے پیسے سے ہے۔ اس کے بغیر وہ فراہم نہیں ہو سکتے۔ اللہ کا دین دعوت و تبلیغ کے لیے اسباب کا طالب ہو اور آپ یہ اسباب مہیا کرنے کی حیثیت میں ہونے کے باوجود مہیا نہ کریں تو یہ آپ کے دین و ایمان کے منافی عمل ہوگا۔

اسلام کی دعوت و تبلیغ اور اس کی سربلندی کی جدو جہد جن مادی وسائل کا تقاضا کرتی ہے وہ اگر فراہم نہ ہوں تو وہ جماعت اور تنظیم کم زور ہوگی جو اس مقصد

کے لیے کام کر رہی ہے۔ وہ اپنی قوت و توانائی کھوتی چلی جائے گی اور حریف طاقتیں اپنے وسائل کے استعمال سے مضبوط سے مضبوط تر ہوتی اور طاقت پکڑتی رہیں گی۔ یہ کسی فرد واحد کا نہیں، بلکہ ایک جماعت کا نقصان ہے۔ اسے ایک اور پہلو سے بھی دیکھا جاسکتا ہے۔ وہ یہ کہ کارِ دعوت پوری امت کی ذمہ داری ہے۔ اگر یہ انجام نہ پائے تو پوری امت سخت خسارے سے دو چار ہوگی۔ یہ اپنے ہاتھوں اپنی ہلاکت کا سامان کرنا ہے۔ اسی سیاق میں قرآن مجید نے کہا ہے:

وَاَنْفِقُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَلَا تُلْقُوْا بِاَیْدِیْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ ۚۛ وَاَحْسِنُوْا ۚۛ اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ﴿۱۹۵﴾	اور خرچ کرو اللہ کی راہ میں اور خود کو اپنے ہاتھوں ہلاکت میں مت ڈالو۔ اور احسان کرو۔ بے شک اللہ احسان کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔
(البقرہ: ۱۹۵)	

آج دنیا مادی لحاظ سے بہت ترقی کرچکی ہے۔ اس کے پاس کسی بھی نظریے کے پھیلانے اور اسے غالب و سربلند کرنے کے اتنے وسیع اور طاقت ور ذرائع موجود ہیں جو اس سے پہلے کبھی نہیں تھے۔ ان ذرائع کو اللہ کے دین کی تبلیغ و اشاعت اور اس کے غلبہ و برتری کی راہ میں صرف ہونا چاہیے، لیکن افسوس کہ وہ کفر و الحاد اور بدی کے پھیلانے اور نیکی کے مٹانے میں استعمال ہو رہے ہیں۔ آج کسی بھی خادم دین میں یہ طاقت نہیں ہے کہ وسائل و ذرائع کا رخ موڑ دے اور ان کو دعوت دین کی راہ میں لگادے۔ ہاں! وہ یہ کرسکتا ہے کہ اس کے پاس جو بھی وسائل ہیں، ان کو اللہ کے دین کے لیے وقف کردے۔ بلاشبہ یہ وسائل بہت ہی کم ہوں گے، لیکن اللہ تعالیٰ نے چاہا تو اس کا دین ان محدود وسائل و ذرائع کے باوجود کامیاب، اور باطل طاقتیں اپنے وسیع وسائل کے باوجود ناکام ہوں گی۔

اِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ لِیَصُدُّوْا عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ؕ فَسَیُنْفِقُوْنَهَا ثُمَّ تَكُوْنُ عَلَیْهِمْ حَسْرَةً ثُمَّ یُغْلَبُوْنَ ؕ (الانفال: ۳۶)

جن لوگوں نے اللہ کا انکار کیا وہ اپنا مال اس کے راستے سے روکنے کے لیے صرف کر رہے ہیں۔ پس وہ اس کو خرچ کریں گے، مگر یہ ان کے لیے پچھتاوے کا سبب ہوگا، پھر وہ مغلوب ہوں گے۔

ایک اور موقع پر فرمایا کہ اللہ کے منکر اور باغی نام و نمود، ستائش اور مفاخرت کے جذبہ سے، یا اللہ کے دین کو نقصان پہنچانے کے لیے جو کچھ خرچ کر رہے ہیں وہ ایسے رائیگاں جائے گا جیسے کھیتی کو پالا مار جائے۔ یہ اپنی غلط حرکتوں سے تباہ ہوں گے اور اپنے مقصد میں کبھی کام یاب نہ ہوں گے۔ ارشاد ہے:

مَثَلُ مَا یُنْفِقُوْنَ فِیْ هٰذِهِ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا كَمَثَلِ رِیْحٍ فِیْهَا صِرٌّ اَصَابَتْ حَرْثَ قَوْمٍ ظَلَمُوْۤا اَنْفُسَهُمْ فَاَهْلَكَتْهُ ؕ وَمَا ظَلَمَهُمُ اللّٰهُ وَلٰكِنْ اَنْفُسَهُمْ یَظْلِمُوْنَ ﴿۱۱۷﴾ (آل عمران: ۱۱۷)

جو لوگ اس دنیا کی زندگی میں خرچ کرتے ہیں، ان کی مثال ایسی ہے جیسے ہوا میں سخت سردی ہو اور وہ ایسی قوم کی کھیتی کو لگ جائے جس نے اپنے اوپر ظلم کیا ہے اور اسے ختم کرکے رکھ دے۔ اللہ نے اُن کے ساتھ کوئی زیادتی نہیں کی، وہ خود ہی اپنے اوپر زیادتی کر رہے تھے۔

انفاق کی فضیلت جب ضرورت شدید ہو

اللہ کا دین اس وقت بڑے نازک دور سے گزر رہا ہے۔ انسانوں پر اس کی گرفت ڈھیلی پڑ چکی ہے۔ باطل تحریکیں اور فاسد نظریات ہر طرف پھیل رہے ہیں۔ خدا بے زاری اور آخرت فراموشی سارے عالم پر چھائی ہوئی ہے اور اللہ کے دین کو اس کے ماننے والوں تک نے اپنی زندگیوں سے بے دخل کر رکھا ہے۔

اس صورت حال میں کسی کا اپنے پیسے سے دین کو تقویت پہنچانا بڑی ہی قدر و قیمت رکھتا ہے۔ عام حالات میں بھی اگر کوئی شخص اللہ کے دین کے لیے کچھ خرچ کرتا ہے تو اس کا بڑا اجر ہے، لیکن اس سے کہیں زیادہ اجر و ثواب کا وہ اس وقت مستحق ہوگا جب کہ دین بے حد مظلوم ہو اور حمایت و نصرت کے لیے اسے آواز دے رہا ہو۔ قرآن مجید نے صاف الفاظ میں کہا ہے کہ جس طبقے نے فتحِ مکہ سے پہلے اللہ کی راہ میں انفاق کیا اور جس نے فتحِ مکہ کے بعد خرچ کیا دونوں برابر نہیں ہو سکتے۔ پہلے طبقہ نے اس وقت اپنا تعاون پیش کیا جب کہ اللہ کے دین کو اس کی بے حد ضرورت تھی اور دوسرے گروہ کا تعاون اس وقت حاصل ہوا جب کہ اسلامی ریاست کا پرچم پورے حجاز پر لہرا رہا تھا۔ ارشاد ہے:

لَا يَسْتَوِيْ مِنْكُمْ مَّنْ اَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَ قٰتَلَ ؕ اُولٰٓئِكَ اَعْظَمُ دَرَجَةً مِّنَ الَّذِيْنَ اَنْفَقُوْا مِنْۢ بَعْدُ وَ قٰتَلُوْا ؕ وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿۱۰﴾

(الحدید: ۱۰)

تم میں سے جن لوگوں نے فتح مکہ سے پہلے اللہ کی راہ میں خرچ کیا اور اس کے دشمنوں سے لڑے، وہ ان لوگوں کے برابر نہیں ہیں جنھوں نے فتح مکہ کے بعد خرچ کیا اور دشمنوں سے لڑے (بلکہ پہلے گروہ کا اجر دوسرے گروہ کے مقابلے میں بہت زیادہ ہے۔) اور ہر ایک سے اللہ نے بھلائی کا وعدہ کیا ہے اور اللہ جو کچھ تم کر رہے ہو اس سے باخبر ہے۔

فتح مکہ کے بعد جو اصحاب ایمان لائے اور قربانیاں دیں ایک موقع پر رسول اللہ ﷺ نے ان سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا: ”میرے ساتھیوں (فتح مکہ سے پہلے ایمان لانے والوں) کی شان میں کوئی نامناسب بات نہ کہو۔ تم میں سے کوئی احد پہاڑ کے برابر سونا خرچ کر دے تو بھی انھوں نے ایک مد (دو رطل) یا آدھا مد جو خرچ کیا اس کے برابر نہیں ہو سکتا۔“[1]

---

[1] بخاری، کتاب فضائل اصحاب النبیؐ، باب قول النبیؐ: لو کنت متخذا خلیلا الخ۔ مسلم، کتاب فضائل الصحابۃ، باب تحریم سبّ الصحابۃ رضی اللہ عنہم۔

تھوڑا مال خرچ کرنے کا حکم

انسان کے پاس جو کچھ ہے وہ اللہ تعالیٰ کا عطا کردہ ہے۔ وہی اس کا مالک حقیقی ہے۔ وہ چاہے تو اپنی ہر چیز اس سے واپس طلب کرسکتا ہے۔ لیکن اس نے انسان کو اتنی بڑی آزمائش میں نہیں ڈالا کہ وہ اس کی ہر چیز سے دست بردار ہوجائے اور اس کے حوالے کردے۔ مال و دولت بھی اللہ ہی کا دیا ہوا ہے لیکن اس نے اپنے کل مال کا اس سے مطالبہ نہیں کیا۔ اگر کل مال کا مطالبہ کرتا اور اصرار کے ساتھ کرتا تو انسان اس پر عمل نہ کرپاتا۔ مال سے اس کی طبعی محبت اور کم زوری کھل کر سامنے آجاتی۔ ارشاد ہے:

اِنَّمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَّ لَهْوٌ ؕ وَاِنْ تُؤْمِنُوْا وَتَتَّقُوْا يُؤْتِكُمْ اُجُوْرَكُمْ وَلَا يَسْـَٔلْكُمْ اَمْوَالَكُمْ ﴿۳۶﴾ اِنْ يَّسْـَٔلْكُمُوْهَا فَيُحْفِكُمْ تَبْخَلُوْا وَيُخْرِجْ اَضْغَانَكُمْ ﴿۳۷﴾

(محمد: ۳۶، ۳۷)

دنیا کی زندگی تو محض کھیل تماشا ہے۔ اگر تم ایمان لے آؤ اور تقویٰ اختیار کرو تو اللہ تمہیں تمہارا اجر دے گا اور تمہارے اموال نہیں طلب کرے گا (اسے اس کی حاجت نہیں ہے)۔ اگر وہ تم سے تمہارے اموال طلب کرے اور پورا مال طلب کرے تو تم بخل کرنے لگو گے اور وہ تمہاری ناگواری کو ظاہر کردے گا۔

قرآن و حدیث میں کہیں یہ نہیں کہا گیا ہے کہ مال کا حاصل کرنا اور رکھنا گناہ ہے اور نہ یہ ہدایت کی گئی ہے کہ انسان اپنا پورا مال اللہ کی راہ میں خرچ کردے، بلکہ اپنے مال کا ایک حصہ اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کا حکم ہے:

اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاَنْفِقُوْا مِمَّا جَعَلَكُمْ مُّسْتَخْلَفِيْنَ فِيْهِ ؕ فَالَّذِيْنَ

اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور خرچ کرو اس مال میں سے جو اس نے تمہیں اپنا

اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَاَنْفَقُوْا لَهُمْ اَجْرٌ كَبِيْرٌ ۝ (الحدید:۷)

نائب بنا کر دیا ہے۔ پس تم میں سے جو ایمان لائے اور جنہوں نے خرچ کیا ان کے لیے بڑا اجر ہے۔

اسی طرح فرمایا:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰكُمْ (البقرہ: ۲۵۴)

اے ایمان والو! خرچ کرو اس میں سے جو ہم نے تمہیں دیا ہے۔

تجارت اور زراعت سے حاصل ہونے والی آمدنی کے متعلق ارشاد ہوا:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّآ اَخْرَجْنَا لَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ ۠ (البقرہ:۲۶۷)

اے لوگو جو ایمان لائے ہو، خرچ کرو وہ صاف ستھری چیزیں جو تم نے کمائی ہیں اور ان چیزوں میں سے جو ہم نے تمہارے لیے زمین سے نکالی ہیں۔

اہل ایمان کی یہ خوبی قرآن مجید کے متعدد مقامات پر بیان ہوئی ہے:

وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۝ (البقرہ: ۳)

اور جو کچھ ہم نے دیا ہے اس میں سے وہ خرچ کرتے ہیں۔

اس میں سب سے پہلے تو زکوٰۃ آتی ہے۔ صدقاتِ واجبہ کا بھی یہی حکم ہے۔ جب کوئی صدقہ از روئے شرع واجب ہوجائے تو اس کا ادا کرنا لازم ہے۔ اسی طرح بیوی بچوں اور متعلقین کا نان نفقہ بھی اس میں شامل ہے۔ ان کی مادی ضروریات کا پورا کرنا اور ان کے مالی حقوق کا ادا کرنا ضروری ہے۔

زائد از ضرورت مال خرچ کرنے کی ترغیب

ایک سوال یہ ہے کہ زکوٰۃ، صدقاتِ واجبہ اور نفقاتِ واجبہ کے بعد آدمی اللہ کی راہ میں کتنا خرچ کرے؟ اس کا جواب قرآن مجید نے ایک لفظ 'عفو' میں دیا ہے۔ فرمایا:

وَيَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ ۬ قُلِ الْعَفْوَ ؕ (البقرہ: ۲۱۹)

وہ تم سے سوال کرتے ہیں کہ کیا خرچ کریں؟ ان سے کہو 'عفو' (جو زائد از ضرورت ہو)۔

'عفو' اس مال کو کہا گیا ہے جو اپنی، اپنے اہل و عیال اور متعلقین کی ضروریات سے زیادہ ہو۔[1] زمخشری کہتے ہیں 'عفو' کے معنی ہیں جس میں مشقت نہ ہو اور پوری قوت نہ صرف کرنی پڑے۔[2] مطلب یہ کہ اس سے مراد وہ مال ہے جسے آدمی آسانی سے دے سکے اور جس کے بعد وہ پریشانی اور مشکل میں نہ پڑ جائے۔

ایک حدیث میں آتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "صدقہ (خرچ) اپنے اوپر کرو، پھر اپنے بیوی بچوں پر پھر اپنے قرابت داروں پر، اس کے بعد جو بچ جائے اسے دائیں بائیں ہر طرف (جو بھی مستحق ہے اسے) دیتے چلے جاؤ۔"[3]

ایک اور حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "ابن آدم! اگر تو فاضل دولت خرچ کردے تو یہ تیرے لیے اچھا ہے۔ اگر تو اسے اپنے پاس روکے رکھے تو یہ تیرے حق میں برا ہے۔ ہاں کفاف کی حد تک تیرے پاس رہ جائے تو (یہ غلط اور) قابل ملامت نہیں ہے۔"[4]

قرآن و حدیث نے 'عفو' کی تفصیل نہیں بیان کی ہے۔ اسی طرح ضروریاتِ زندگی کا بھی ان میں تعین نہیں ہے، اس لیے کہ اس کا تعلق آدمی کی مالی حالت، سماجی حیثیت اور زمان و مکان سے ہے، اس لحاظ سے اس میں فرق واقع ہوسکتا ہے۔ ان سب کو پیش نظر رکھ کر آدمی خود فیصلہ کرسکتا ہے کہ وہ اپنی دولت کا کتنا حصہ اللہ کی راہ میں خرچ کرے گا، یا اسے کرنا چاہیے۔

---

[1] جلالین، تفسیر آیت مذکور۔

[2] زمخشری، الکشاف، تفسیر آیت مذکور

[3] مسلم، کتاب الزکاۃ، باب الابتداء فی النفقۃ بالنفس ثم اہلہ الخ۔

[4] مسلم، کتاب الزکاۃ، باب بیان ان الید العلیا خیر من الید السفلی الخ۔

حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا کہ میرے پاس ایک دینار ہے (اسے کہاں خرچ کروں؟) آپؐ نے فرمایا: اپنی ذات پر خرچ کرو۔ اس نے کہا کہ میرے پاس ایک اور دینار ہے، آپ نے فرمایا: اسے اپنے بچوں پر خرچ کرو۔ اس نے کہا کہ میرے پاس ایک اور دینار بھی ہے، آپ نے کہا: اسے اپنی بیوی پر خرچ کرو۔ اس نے کہا میرے پاس ایک اور دینار بھی ہے، آپ نے فرمایا: اس کو اپنے خادم پر خرچ کرو۔ اس نے کہا میرے پاس ایک اور دینار بھی ہے، آپ نے فرمایا کہ تم خود اس کا مصرف بہتر سمجھ سکتے ہو۔[1]

اس کا ایک دوسرا پہلو یہ ہے کہ ایک صاحب ایمان کو یہ بات بھی پیش نظر رکھنی چاہیے کہ دین کی ضروریات اور اس کے تقاضے کیا ہیں اور وہ انہیں کس حد تک پورا کرسکتا ہے؟ اس میں یہ ہمت اور حوصلہ ہونا چاہیے کہ دین کا مطالبہ ہو تو وہ اپنی ساری زائد از ضرورت دولت اللہ کی راہ میں دے سکتا ہے۔

حضرت ابو سعید خدریؓ بیان کرتے ہیں کہ ہم لوگ ایک سفر میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے کہ ایک شخص اونٹ پر سوار آیا اور دائیں بائیں دیکھنے اور دوڑنے لگا (جس سے اندازہ ہو رہا تھا کہ وہ ضرورت مند ہے)۔ آپؐ نے فرمایا: جس کسی کے پاس فاضل سواری ہو وہ اس شخص کو دے دے جس کے پاس سواری نہیں، زائد توشہ ہو وہ اس شخص کو دے دے جسے اس کی ضرورت ہے۔ اس طرح آپؐ نے مختلف اموال (جیسے کپڑے اور درہم و دینار وغیرہ) کا اس طرح ذکر فرمایا کہ ہم نے یہ سمجھا کہ جو چیز زائد ہے اس پر ہمارا حق نہیں ہے۔[2]

---

[1] ابوداؤد، کتاب الزکاۃ، باب فی صلۃ الرحم۔ نسائی، کتاب الزکاۃ، باب الصدقۃ عن ظہر غنی۔

[2] مسلم، کتاب اللقطۃ، باب استحباب المؤاساۃ بفضول المال۔

حدیث میں آتا ہے کہ اگر کوئی شخص کسی غزوے میں شریک ہونے کا ارادہ کرے اور اس کے لیے تیاری کرلے اور کسی وجہ سے شریک نہ ہوسکے تو وہ اپنا ساز و سامان کسی ایسے شخص کو دے دے جو غزوے میں شرکت کا عزم رکھتا ہو اور وسائل کے دست یاب نہ ہونے کی وجہ سے شریک نہ ہو پا رہا ہو۔

حضرت انس بن مالکؓ کا بیان ہے کہ قبیلۂ اسلم کا ایک نوجوان رسولِ اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا، میں غزوے میں شریک ہونا چاہتا ہوں، لیکن میرے پاس اس کا سامان نہیں ہے۔ آپ نے فرمایا کہ تم فلاں صاحب کے پاس چلے جاؤ۔ انہوں نے تیاری کی تھی لیکن بیمار ہوگئے ہیں، اس وجہ سے شرکت نہیں کرسکیں گے۔ وہ ان کے پاس پہنچ گئے، رسول اللہ ﷺ کا سلام پہنچایا اور کہا کہ آپ نے فرمایا ہے جو سامان آپ نے تیار کیا ہے وہ مجھے دے دیں۔ انہوں نے اپنی بیوی کو آواز دی اور کہا جو ساز و سامان میں نے تیار کیا ہے وہ سب ان کے حوالے کردو۔ اس میں سے کوئی چیز بھی نہ روکو، اس میں کوئی برکت نہ ہوگی۔[1]

غزوے کے ذکر کو ایک مثال سمجھنا چاہیے۔ اس سے یہ نتیجہ اخذ کرنا غلط نہ ہوگا کہ آدمی دین کی دعوت اور سربلندی کی جدو جہد میں براہِ راست کسی وجہ سے شریک نہ ہوسکے تو اپنے ممکنہ وسائل و ذرائع استعمال کرکے اس میں بالواسطہ شریک ہوسکتا ہے۔

اللہ کی راہ میں دولت لٹانے والے

قرآن وحدیث میں یہ نہیں کہا گیا ہے کہ مال و دولت کا رکھنا گناہ ہے۔ اور نہ یہ ہدایت کی گئی ہے کہ انسان اپنا پورا مال اللہ کی راہ میں لازماً خرچ کردے، بلکہ اپنے مال کا ایک حصہ اللہ کی راہ میں نکالنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اس میں فرض اور

---

[1] مسلم، کتاب الامارۃ، باب فضل اِعانۃ الغازی فی سبیل اللّٰہ الخ۔

واجب بھی ہے اور نفل و مستحب بھی۔ انسان جب اللہ کے حکم سے اپنا مال ان مدات میں خرچ کرتا ہے جو فرض اور واجب ہیں تو اس کے اندر ان مدات پر بھی خرچ کرنے کا جذبہ ابھرتا ہے جو فرض نہیں ہیں۔ وہ فرض کے ادا کر دینے ہی پر قانع نہیں ہوتا، بلکہ نفل کی سعادت سے بھی بہرہ مند ہونا چاہتا ہے۔ وہ انفاق کا کوئی موقع ضائع نہیں کرتا، بلکہ ہر اس موقع پر اپنی دولت خرچ کرنے کے لیے تیار ہوجاتا ہے جب اللہ کا دین اس سے خرچ کرنے کا تقاضا کرے۔ اس طرح آدمی اپنی تھوڑی سی دولت دے کر اس بات کا اعلان کرتا ہے کہ اس کی پوری دولت اللہ تعالیٰ کی ہے اور جب بھی اس کے دین کو ضرورت ہوگی وہ بے دریغ اس کے لیے صرف ہوگی۔ اگر یہ جذبہ کسی کے اندر ابھر آئے تو اس کے لیے ناممکن نہیں ہے کہ اپنا سب کچھ اللہ کی راہ میں لٹا دے اور خالی ہاتھ گھر چلا آئے۔ اس کی مثالیں ہماری تاریخ میں موجود ہیں۔

حضرت عمرؓ فرماتے ہیں: (غزوۂ تبوک کے موقع پر) رسول اللہ ﷺ نے ہم لوگوں کو انفاق کا حکم دیا۔ اس وقت اتفاق سے میرے پاس کافی مال موجود تھا، میں نے خیال کیا کہ آج، بس! ابوبکرؓ سے بازی لے جانے کا موقع ہے۔ چنان چہ میں اپنا آدھا مال لے کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پہنچ گیا۔ آپ نے دریافت فرمایا کہ گھر والوں کے لیے کیا چھوڑا ہے؟ میں نے عرض کیا اتنا ہی ان کے لیے بھی چھوڑ آیا ہوں۔ لیکن حضرت ابوبکرؓ اپنا پورا ہی مال لے کر حاضر ہوگئے، آپؐ نے ان سے بھی یہی دریافت فرمایا کہ گھر والوں کے لیے کیا چھوڑا ہے؟ انھوں نے عرض کیا ان کے لیے اللہ اور رسول کو چھوڑ آیا ہوں۔ اس پر میں نے کہا کہ ابوبکرؓ سے میں کسی معاملے میں آگے نہیں بڑھ سکتا۔[1]

---

[1] ترمذی، کتاب المناقب، باب فی مناقب أبی بکر وعمر کلیھما۔ ابوداؤد، کتاب الزکاۃ، باب فی الرخصۃ فی ذلک۔

غزوۂ تبوک ہی کے موقع پر رسول اللہ ﷺ نے انفاق کی ترغیب دی تو حضرت عثمانؓ کھڑے ہوئے اور فرمایا: اے اللہ کے رسول! میرے ذمے سو اونٹ ہیں، میں انہیں پشت پر ڈالے جانے والے کپڑوں اور کجاووں کے ساتھ فراہم کروں گا۔ دوبارہ آپ نے ترغیب دی تو حضرت عثمانؓ کھڑے ہوئے اور عرض کیا کہ میں اس طرح کے دوسو اونٹ کی ذمہ داری لیتا ہوں۔ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے مزید ترغیب دی تو حضرت عثمانؓ نے کہا کہ میں تین سو اونٹ کی ذمہ داری لیتا ہوں۔ حدیث کے راوی حضرت عبد الرحمٰن بن خباب کہتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ منبر سے یہ کہتے ہوئے اترے کہ اس کے بعد عثمان کچھ بھی کریں انہیں کوئی نقصان نہ ہوگا۔[۱] (یعنی اس کے بعد ان سے کوئی غلطی سرزد ہو بھی جائے تو اللہ تعالیٰ اس عظیم خدمت کے عوض انہیں معاف فرما دے گا۔)

عبد الرحمٰن بن سمرہ اسی غزوے کا ذکر کرتے ہیں کہ حضرت عثمانؓ اپنی آستین میں ایک ہزار دینار لائے اور آپ کے دامن میں ڈال دیے۔ میں نے دیکھا کہ آپ اپنے دامن میں انہیں الٹ پلٹ رہے تھے اور بار بار فرما رہے تھے کہ عثمان آج کے بعد کچھ بھی کریں انہیں نقصان نہ ہوگا۔[۲]

انفاق ریا کاری کے لیے نہ ہو

قرآن مجید نے تاکید کی ہے کہ انفاق اخلاص کے ساتھ اور اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوش نودی کے لیے ہو۔ اس میں ریا کاری اور نام نمود کا جذبہ ہرگز نہ پایا جائے۔ آدمی خرچ کرے تو احسان نہ جتائے بلکہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرے کہ اس

---

۱ ترمذی، کتاب المناقب، باب فی مناقب عثمان بن عفانؓ۔

۲ ترمذی، کتاب المناقب، باب عن عبد الرحمٰن بن سمرۃ۔ مسند احمد: ۶/ ۵۵

نے اس کی توفیق دی۔ اخلاص اور اللہ کی رضا جوئی کے لیے جو انفاق ہو اس کی مثال قرآن نے اس باغ کی دی ہے جو بلند ٹیلے پر واقع ہو اور تیز بارش برسے اور وہ معمول سے کئی گنا زیادہ فصل لائے۔ فرمایا: اس طرح کے باغ کے لیے ہلکی پھوار بھی کافی ہوتی ہے۔ (البقرہ: ۲۶۵)

اس کے برخلاف جس شخص کا اللہ تعالیٰ کی ذات اور آخرت پر ایمان ہی نہیں ہے کہ اسے اس کی رضا مطلوب ہو اور وہ محض ریاکاری کے لیے خرچ کر رہا ہے اس کی مثال ایسی ہے جیسے کسی چٹان پر مٹی جمع ہوجائے اور وہ سرسبز و شاداب کھیتی کی توقع میں اس پر دانے بکھیر دے۔ پھر ایک ہی بارش میں ساری مٹی بہہ جائے اور چٹان صاف ہوجائے۔ (البقرہ: ۲۶۴)

ایک اور موقع پر فرمایا:

وَالَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ رِئَآءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۭ وَمَنْ يَّكُنِ الشَّيْطٰنُ لَهٗ قَرِيْنًا فَسَآءَ قَرِيْنًا ﴿۳۸﴾	جو لوگ اپنے مال لوگوں کو دکھانے کے لیے خرچ کرتے ہیں اور اللہ پر اور آخرت پر ایمان نہیں رکھتے اور جن کا ساتھی شیطان ہو۔ اور وہ برا ساتھی ہے۔ (النساء: ۳۸)

یہاں ان لوگوں کی مذمت کی گئی ہے جو خرچ تو کرتے ہیں لیکن نام و نمود اور شہرت و نام آوری کے لیے۔ ان کے متعلق فرمایا کہ وہ اللہ اور آخرت پر ایمان نہیں رکھتے۔ ان دونوں باتوں میں گہرا تعلق ہے۔ دنیا میں خدمت خلق، رفاہ عام اور فلاح و بہبود کے بہت سے کام افراد نے بھی انجام دیے ہیں اور اداروں، جماعتوں اور قوموں نے بھی، لیکن ان میں بے نفسی اور اخلاص اسی وقت پایا گیا جب کہ ان کے پیچھے خدا اور آخرت پر یقین، اس کے عذاب اور عقاب کا خوف اور

اس کے اجر و ثواب کی طلب موجود تھی۔ جہاں خدا اور آخرت پر ایمان نہ پایا گیا وہاں خلوص کی جگہ شہرت اور نام آوری نے لے لی اور کوئی نہ کوئی ذاتی غرض اس سے وابستہ ہوگئی اور انسان آخرت کے اجر و ثواب سے محروم ہوگیا۔ اللہ تعالیٰ اس سے محفوظ رکھے!